By Pakistan's Supreme Court
ہفت روزہ
ذوالفقار
کراچی
۲۳ فروری ۱۹۷۹
FAR EASTERN ECONOMIC
review
Will Bhutto
TIME
Newsweek
The Economist
Zulfikar Ali Bhutto sat last week in the fetid, windowless cell in Rawalpindi's jail where he has spent the last nine months. But scores of the former Pakistani Prime Minister's friends—and
did not have to wait long. White-wigged Chief Justice Anwar ul-Haq needed little more than a minute to read the terse, one
Herald
INTERNATIONAL
The jail-door key will do
The verdict is in on Mr Bhutto; let it not make a dead martyr of him
Japan
THE DAILY TELEGRAPH
Pakistan Court
زیر اہتمام
الفتح
مطبوعات
قیمت /۵ روپے

قارئین کہتے ہیں

مکران میں کوسٹ گارڈ کے مظالم

مکران کا مرکزی شہر تربت پورے چار دن بند رہا یہ گذشتہ ماہ کا واقعہ ہے۔ لوگوں نے احتجاج کیا۔ دکانیں بند رہیں مارکیٹ بند رہی پولیس دکانیں کھولنے کی کوشش کرتی رہی اور دکانیں نہیں کھلیں یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب کوسٹ گارڈ نے تربت شہر سے سات میل دور "گوکدان" کے مقام پر دین محمد اور عبدالصمد کے گھر پر رات کے اندھیرے میں چھاپہ مارا ان کے بال بچوں کی بے عزتی کی گئی انہیں مارا پیٹا گیا جب مالک مکانان عبدالصمد اور دین محمد نے پوچھنے کی جسارت کی تو انہیں ڈانٹ اور لات کھانی پڑی صبح معلوم ہوا کہ ان شریف زادوں کے گھر پر رات کے دو بجے اس لئے چھاپہ مارا گیا کہ ان کے گھر میں اسمگلنگ کا کپڑا اور سگریٹ موجود ہے یہ رپورٹ کوسٹ گارڈ کے سی آئی ڈی والے نے دی تھی لیکن چھاپہ مار عملہ کو وہاں پر کچھ نہ ملا۔

دین محمد اور عبدالصمد نے کیس کمشنر ملک عمر تربت کے سامنے پیش کیا کہ ہمارے بال بچوں کی بے عزتی کی گئی رات کے اندھیرے میں اس گاؤں کا کوئی سرکردہ ان کے ساتھ نہ تھا اور ان کے پاس مکمل ثبوت تھا کہ ان کے گھر پر اسمگلنگ شدہ کپڑا ہے اس لئے ہم اپنی عزت کی چارہ جوئی چاہتے ہیں۔

بی ایس او عوامی کے مدد کرنے کو جب یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے کیس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد ایک وفد ڈپٹی کمشنر کے پاس بھیجا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ کوسٹ گارڈ کی پہلی واردات نہیں یہ ہر وقت اسی طرح شہریوں کو تنگ کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ دین محمد اور عبدالصمد سے معافی مانگیں اور یہ وارننگ بھی ڈپٹی کمشنر کو دی کہ اگر اس کیس کا کچھ نہ بنا تو ہم احتجاج کریں گے ہم عوام کے ساتھ ہیں عوام ہمارا ساتھ دیں گے کوسٹ گارڈ والوں نے معافی مانگنے سے انکار کیا تو طلباء نے عوام کے ساتھ پورے تربت شہر کو چار روز تک بند رکھا اس کیس کی انکوائری کے لئے ایک ٹیم بنائی گئی لیکن اس میں عوام کا اور طلباء کا کوئی نمائندہ نہ تھا سربراہ ڈپٹی کمشنر یا فوج کا ایک کیپٹن ڈی ایس پی کرنل انکوائری آفیسر مقرر کیے گئے بالآخر چند بااثر شہریوں کے ذریعہ ہڑتالیوں کو یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ کوسٹ گارڈ کے سی آئی ڈی پر سول مقدمہ چلایا جائے گا اور کوسٹ گارڈ کے چھاپہ مار عملہ پر مارشل لاء کے تحت مقدمہ چلائیں گے اس یقین دہانی پر ہڑتال ختم ہو گئی ایک ہفتہ گذر جانے کے باوجود ابھی ان فیصلوں پر عملدرآمد نہیں ہوا ہے

تربت کے اس واقعہ پر عطاء اللہ مینگل کا ایک سخت بیان بھی شائع ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ "کوسٹ گارڈ کے دائرہ اختیار کو اتنا وسیع کر دیا گیا ہے کہ وہ جس شریف کو لوٹنا چاہیں یا اس کے مال متاع کو چھیننا چاہیں تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے جیسے کہ ان علاقوں کو کوسٹ گارڈ کی ملکیت قرار دے کر ان کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

بی ایس او عوامی کے چیئرمین مولا بخش نے ۲۵ جنوری کو کوئٹہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ صرف ایک ہی ہفتہ میں تربت کے قریب "گوکدان" اور زور بازار کے گاؤں پر چھاپہ مارا گیا کوسٹ گارڈ جو ایک نیم فوجی فورس ہے کے سپاہی بے دھڑک لوگوں کے گھروں میں گھس گئے اور بندوق کی نالی ان کے سینوں پر تان کر ان کے اتنے لے گئے مکران اسکاؤٹس اور پولیس کے مختلف گاؤں کی ناکہ بندی کی حتیٰ کہ تربت شہر کو گھیرے میں لے کر لوگوں کو ڈرایا دھمکایا گیا جس کا ردعمل طلباء اور عوام کے احتجاج کی صورت میں ہوا۔ اس کے علاوہ تربت، ہرشاب مند، تلی ضلع سبی میں بھی اس قسم کے واقعات ہوئے ہیں انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم جب ان مظالم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور اپنے عزیز ترین رشتوں اور عوام پر مظالم کے خلاف احتجاج کرتے ہیں تو ہم پر مختلف قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں ہمیں طرح طرح سے تنگ کیا جاتا ہے دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ ہمارے والدین کو پریشان کیا جاتا ہے۔" روزنامہ مشرق ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء

کوسٹ گارڈ اور دوسرے اداروں کے ذریعے مکران میں یہ پہلا واقعہ نہیں اس سے کچھ وقت پہلے تربت سے ۷۵ میل سرحدی علاقہ مند میں وردی پوش ایک غریب مزدور کے گھر میں گھس گئے انہوں نے اہل خانہ کے کانوں سے سونے کی بالیاں نکالنے کی کوشش کی لیکن شور سے ہمسایہ ان کی مدد کو پہنچے انہوں نے ان دونوں کو پکڑنے کی کوشش کی ایک ان کے ہاتھ آیا دوسرا بھاگنے میں کامیاب ہوا انہوں نے اسے تحصیلدار کے حوالے کیا اور اپنی عزت کے تحفظ کی درخواست کی لیکن بجائے اس کے کہ اسے سزا دی جاتی چند دن حوالات میں رکھنے کے بعد اسے رہا کر دیا گیا اور ایک ہفتے کی تنخواہ بھی نہیں کاٹی دو ماہ پہلے علاقہ پنجگور میں کسی سبب کے بغیر دو افراد کو گولی سے مار دیا گیا اور جواز یہ پیش کیا گیا کہ رات دس بجے گھر سے باہر نکلنا قانوناً جرم ہے ان میں واقعات کے خلاف جب تربت میں طلباء نے جلوس نکالا تو طلباء پر فائرنگ ہوئی لاٹھی اور ڈنڈوں سے انہیں مارا گیا اسکول کے پندرہ بچے تین دن تک تربت اسپتال میں زیر علاج رہے ان واقعات نے یہاں کے لوگوں کے ذہنوں میں اس تک کو قوی کیا ہے کہ کوسٹ گارڈ مکران اسکاؤٹس اور دوسرے ادارے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ لوٹنے اور تنگ کرنے کے لیے ہیں اس طرح ان کے رویّے نے بلوچستان میں حالات کو درست کرنے کی بجائے بگاڑ پیدا کیا ہے۔

(جنید بلوچ۔ تربت)

جسارت کی بددیانتی

روزنامہ جسارت کے ۱۲ر فروری کے شمارے میں بی بی سی کی صحافتی بددیانتی کا ذکر تھا کہ اس نے لندن میں چیئرمین بھٹو کی حمایت میں ہونے والے جلوس کی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کی ہے اور ہمیشہ کی طرح صحافتی بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے اس خبر سے جسارت کے ایڈیٹر کی بوکھلاہٹ کا ثبوت ملتا ہے یہ خبر خود اتنی مضحکہ خیز ہے کہ روزنامہ جسارت کے ایڈیٹر کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے اس نے اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد بھی اتنا بڑا جھوٹ بڑی دیدہ دلیری سے بولا۔ مان گئے ہم جنرل ضیاء الحق سے درخواست کرتے ہیں (اپیل اس لیے نہیں کرتے کہ وہ مسترد ہو جاتی ہے) کہ وہ جھوٹی خبروں پر بھی سنسر لگانے کا قانون وضع کریں تاکہ اسلامی معاشرہ کی بنیاد پڑ سکے کیونکہ جھوٹ ہی وہ لعنت ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور جھوٹ بولنا ایک ایسے اخبار کے لیے معیوب بات ہے جو ایک مذہبی جماعت کا ترجمان ہے جس نے اسلامی نظام کے نفاذ کا سب سے زیادہ خیر مقدم کیا ہے اس بے چاری مذہبی جماعت نے عبوری حکومت میں چور دروازے سے داخل ہو کر صرف اس لیے شمولیت اختیار کی کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو سکے اب جبکہ اسلامی نظام نافذ ہو چکا ہے تو ہمیں امید ہے کہ جسارت کے ایڈیٹر صاحب ایک سچا مسلمان اور مومن بننے کی کوشش کریں گے

(ایک طالب۔ بہاولپور)

سندھ دشمنی

۷ فروری کا وہ منحوس دن تھا جب ہم نے ریڈیو پر بھٹو صاحب کی اپیل رد ہونے کی خبر سنی۔ ضبط کا یارا نہ رہا۔ آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ نکلے۔ جنیر فروشوں کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹیں تھیں ان کے چہرے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے ہی پتہ تھا کہ بھٹو پھانسی چڑھے گا۔ عوام کے ٹھکرائے ہوئے کتے چاول اور مٹھائی تقسیم کر رہے تھے لمبی لمبی اور خشخشی داڑھیوں کی اوٹ میں مذہب کو فروخت کرنے والے ملّا اپنی شیطانی آنکھوں سے ان غریب عوام کو دیکھ رہے تھے جن کی کھالیں وہ اسلامی نظام کے نام پر اتارنے والے تھے ہماری سندھی مائیں اس طرح بین کر رہی تھیں جیسے ان کے حقیقی بیٹوں کو سزائے موت سنا دی گئی ہو۔

شام کو بی بی سی لندن سے خبریں سنیں تو پتہ چلا کہ بھٹو کو محض سندھی ہونے اور سندھیوں کے غصب شدہ حقوق واپس دلانے کی پاداش میں پھانسی دی جا رہی ہے اور یہ خیال غلط بھی نہیں ہے گذشتہ ۱۸ ماہ سے سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پیش نظر کم از کم کوئی غیرت مند سندھی موجودہ انتظامیہ کو سندھ دوست نہیں کہہ سکتا۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں مذہب کے ان ٹھیکیداروں سے جنہوں نے چیئرمین بھٹو کو جلد از جلد پھانسی دینے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے مطالبے کیے ہیں اور بیرونی اپیلوں کو مداخلت قرار دیا ہے کیا جب تمہارے رہنما مودودی کو پھانسی دی جا رہی تھی تو کیا اس وقت اس کی جان بچانے کی اپیلیں بھی مداخلت تھیں یا نہیں کیا تمہارا اسلام صرف قتل و غارت کا نام ہے کیا بھٹو کا ہر حامی تمہاری نظر میں کافر اور ہر غیرت مند سندھی تمہاری نگاہ میں ملحد ہے ہمیں پتہ ہے کہ تم جو اسلامی نظام لانا چاہتے ہو اس سے تم غریبوں کے ہاتھ کاٹو گے اور مجبوروں پر تہمت دھر کر انہیں سنگسار کرو گے لیکن کیا تم پاکباز ہو؟ ہماری ساری برائیوں سے زیادہ تو تم برے ہو اتنا ظلم نہ کرو۔

میں جنرل ضیاء الحق سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھٹو صاحب کی موت کی سزا کو رد کر دیں۔

(ہیموں گوردیلا۔ سانگھڑ)

دفتر رابطہ

الفتح

مطبوعات

ہفت روزہ گھوٹکی

ذوالفقار

چیف ایڈیٹر، سید اظہر گیلانی

٦٩-ڈی ۵، نرسری کمرشل ایریا، پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

تزئین
عبدالرحمٰن

۲۳ فروری ۱۹۷۹ء

شمارہ ٦٨٨

قیمت ۵ روپے

خاص مضامین

دستور میں "آئینی کودیتا" کے لئے ترمیم کا منصوبہ —— منہاج برنا —— ۵

جنرل ضیاالحق کے نام سابق صدر مملکت فضل الٰہی چوہدری کی اپیل کا متن —— —— ٧

بھٹو، اعصابی جنگ میں شدت، پھانسی کی تیاریاں میں بات چیت کا چرچا —— ذوالفقار حیدری —— ۹

بھٹو —— دنیا کیا کہتی ہے۔ عالمی پریس کے تبصرے —— ۱۳

ظلم کی داستان، دھرکی سیمنٹ فیکٹری اور لاڑکانہ کے مزدوروں پر کیا گزری؟ —— دریا خان —— ۴۲

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خان خٹک
بلوچستان ○ مقیم کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ مدد علی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈوالہ یار ○ کامل ستول
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرونِ ممالک

پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

پبلشر، پرنٹر، اے اے گیلانی نے سید پریس گھوٹکی سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی سے شائع کیا

قومی مفاد چاہتا ہے کہ...

سابق چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر، سابق صدرِ مملکت اور سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل پر سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد پیدا ہونے والی غیر معمولی صورتِ حال میں جہاں اور بہت سی غیر معمولی باتیں ہوئیں، وہیں موجودہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، صدرِ مملکت اور چیف آف آرمی اسٹاف نے غیر ملکی نشریاتی اداروں کو انٹرویوز بھی دیئے۔ ویسے تو کسی بھی سیاستدان یا سربراہِ مملکت کا ملکی یا غیر ملکی نشریاتی اداروں کو انٹرویو دینا عام بات ہے لیکن جنرل محمد ضیاالحق کے یہ انٹرویوز اس اعتبار سے غیر معمولی ہیں کہ نہ تو وہ ملک کے منتخب صدر ہیں نہ ہی پیشہ ور سیاستدان۔ ان کی موجودہ حیثیت کا جواز "نظریۂ ضرورت" ہے۔ اس کے باوجود بھی یہ انٹرویوز غیر معمولی نہ ہوتے اگر ان میں غیر معمولی باتیں نہ کہی گئی ہوتیں۔

سب سے زیادہ غیر معمولی بات جنرل صاحب نے ان اپیلوں کے سلسلے میں کہی جو جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں ان سے کی گئی ہیں اور جن کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ انہوں نے ان اپیلوں کو ٹریڈ یونین سرگرمی قرار دیا کہ دنیا بھر کے سیاستدان ایک سیاستدان کی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہماری نظر میں یہ بات دو پہلوؤں سے قابلِ اعتراض ہے۔ اوّل یہ کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کی اپیل صرف سیاستدانوں نے ہی نہیں کی ہے بلکہ ان میں پوپ اور اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل جیسے افراد اور ایمنسٹی انٹرنیشنل اور انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس جیسی تنظیمیں بھی شامل ہیں جنہیں کسی بھی اعتبار سے سیاستدان اور سیاسی ادارے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور ان شخصیات اور اداروں کو سیاستدان قرار دے کر انہیں ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں ملوّث قرار دینا کسی طرح بھی مناسب قرار نہیں دیا جا سکتا اور خاص طور پر کسی سربراہِ مملکت کی طرف سے ایسا عمل یقیناً قابلِ اعتراض ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان الفاظ کے پسِ منظر میں سیاستدانوں اور ٹریڈ یونین دونوں کے لئے جذبۂ حقارت کار فرما نظر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جنرل صاحب کی اپنی ذہنی اور پیشہ ورانہ تربیت نے ان کی نفسیاتی تشکیل انہی خطوط پر کی ہو اور ایک فرد کی حیثیت سے انہیں اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ پیشوں، افراد اور اداروں کے بارے میں اپنی رائے قائم کریں. لیکن بحیثیت صدرِ مملکت ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو نہ صرف یہ کہ قومی مفادات کا پابند کریں بلکہ بین الاقوامی سفارتی آداب کا احترام بھی ان کے فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور میں سیاست دان اور ٹریڈ یونین ایسے افراد اور ادارے ہیں جو نہ صرف جمہوری روایات کے خالق اور اجتماعی مفادات کے محافظ ہیں بلکہ ملکوں اور قوموں کی تقدیر کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور پاکستان کے حوالے سے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ یہ ملک کسی فوجی کارروائی کے نتیجے اور کسی جنرل کی قیادت میں وجود میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ سیاستدان ہی تھے جنہوں نے غیر ملکی سامراجیوں کے خلاف جدوجہدِ آزادی کی قیادت کی اور ملک کو وجود بخشا۔ جہاں تک ٹریڈ یونین کا تعلق ہے تو اس کی عالمی تاریخ گواہ ہے کہ یہ تحریک مسلسل جدوجہد اور قربانیوں سے عبارت ہے۔ اس کا بنیادی اصول "ہر ایک کے لئے سب اور سب کے لئے ہر ایک" ہے۔ اس کا وجود ہی اجتماعیت کے تصوّر سے ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی طرف حقارت آمیز رویّے کو کوئی معقول شخص معقول قرار نہیں دے سکتا۔ رہ گئی بات اچھے بُرے کی، تو سیاستدان اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی، ٹریڈ یونین کارکن اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی، بالکل اسی طرح جس طرح افواج کے قائدین اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ اسی اچھائی اور بُرائی کے معیار پر آپ ہر ایک کو فرداً فرداً جانچ پرکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی سب پر یکساں حکم لگانا سادہ منطق کے معیار پر بھی مناسب نہیں۔ خاص طور پر جب معاملہ دنیا بھر کے ممالک اور حکومتوں کے سربراہوں کا ہو تو ان سفارتی آداب کو نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا جو بڑے ہی نازک ہوتے ہیں۔

ہمیں توقع تھی کہ ڈیڑھ سال سے زائد عرصے تک معاملاتِ حکومت اور بین الاقوامی روابط سے منسلک رہنے کے بعد جنرل صاحب نے ان مناصب سے متعلق فرائض کو بھی سمجھ لیا ہوگا۔ لیکن ہماری توقع غلط ثابت ہوئی۔ **

پرانی سیاست گری خوا[ر]...

منہاج برنا

دستوری "آئینی کو دیتا" کیلئے ترمیم کا منصوبہ

اسلامی انقلاب کی تکمیل کرنا ہے تو ایران سے سبق حاصل کیجئے

صدر ضیاء الحق صاحب نے امریکی ٹیلی ویژن کمپنی سی بی ایس کے نامہ نگار مسٹر کرین کو ۱۴ فروری کو جو انٹرویو ارزاں فرمایا ہے وہ کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے جس پر اہل وطن کو غور کرنا چاہئیے اور اس سے صحیح نتائج اخذ کرنے چاہئیں۔ سب سے پہلے تو یہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کے اقوال و افکار پر مشتمل ہے جو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی ہے جس کی ذات میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ تینوں ہی ادارے ضم ہیں اور وہ کلی طور پر ملک اور عوام کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ دوسرے اس اعتبار سے بھی اس کی اہمیت ہے کہ انٹرویو میں کئی موضوعات پر لمبی قطعیت کے ساتھ سوالات کے جواب دیئے گئے ہیں جن میں اسلامی انقلاب کی تکمیل کا مژدہ بھی سنایا گیا ہے اور جن میں اسلامی سزا و جزا کے تصور، ہمارے علاقے کے حالات، خارجہ امور، مستقبل میں ملکی سیاست میں مسلح افواج کے کردار اور سب سے بڑھ کر بھٹو صاحب کی قسمت کے فیصلے کے بارے میں ان کے فرمودات درج ہیں اور پھر اس میں دو واضح انکشافات بھی کئے گئے ہیں جو اخبار نویسوں کے لئے "اسکوپ" کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ جناب صدر نے بری فوج کے چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے اپنے عہدہ کی مدت میں جو ۲۸ فروری کو ختم ہو رہی تھی بہ نفس نفیس توسیع کر دی ہے اور اب وہ اس عہدہ پر اس وقت تک فائز رہیں گے جب تک کہ وہ بقول خود الیکشن کرا کے اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے نہ کر دیں جس کی تاریخ کا تعین انہوں نے نہیں کیا ہے۔

دوسرے ان کا یہ انکشاف کہ وہ آئین میں اس طرح ترمیم فرمائیں گے کہ مستقبل میں ہمیشہ کے لئے مسلح افواج کو "آئینی طور پر" ایک سیاسی کردار عطا کر دیا جائے۔ یعنی انہیں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہو کہ اگر وہ یہ سمجھیں کہ "ملک کی سیاسی جماعتوں کے درمیان محاذ آرائی ہو گئی ہے یا ملک تباہی کے راستے پر ہے یا الیکشن منعقد ہونے والے ہیں تو وہ عارضی مدت کے لئے مداخلت کر سکیں اور مسائل حل کریں اور دوبارہ اپنی بیرکوں کو لوٹ جائیں"۔ انہوں نے یہ باتیں کہتے ہوئے پہلی مرتبہ اسے خود تسلیم کیا کہ انہوں نے پاکستان میں تیسری مرتبہ "کو دیتا" COUP D'EETA انجام دیا یعنی فوج کے ذریعہ آئینی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں اس کا اعتراف کیا کہ اس تجویز کو سویلین سیاست داں غلط رنگ میں پیش کریں گے تاہم پھر بھی اس پر ڈٹے ہوئے ہیں کیونکہ بقول ان کے متعدد سرکردہ رہنماؤں نے اس کی "تائید کی ہے"۔

سب سے پہلے ان کی اس تجویز پر ہی بحث ہو جائے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سیاست داں اس کی غلط تعبیر کریں گے۔ یہ بجائے خود ایک انتہائی، افسوسناک، غیر جمہوری اور تباہ کن تجویز ہے ایک مشکل صدر ضیاء الحق صاحب کے ساتھ یہ ہے کہ وہ امیر خسرو کی کہہ مکرنیوں "نظریہ ضرورت" کے تحت جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ مارشل لاء کی موجودگی میں جو سب سے بڑا قانون بنا دیا جاتا ہے سپریم کورٹ سے کسی دوسرے فیصلے کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر جناب صدر کی آئینی ترمیم کو بفرض محال تسلیم کر لیا جائے اور مسلح افواج کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے کہ اگر وہ یہ سمجھیں کہ سیاسی جماعتوں میں محاذ آرائی ہو رہی ہے، ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اور انتخابات ہونے والے ہیں تو جب چاہیں سیاسی اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ یہ تو ایک "سپر گورنمنٹ" بلکہ "سپر اسٹیٹ" کا تصور ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے سرچشمہ یعنی عوام کی منتخب حکومت پر ایک اس سے بھی بالاتر حکومت کو مسلط کر دیا جائے کیا اسلامی شرع یا جمہوریت کے کسی تصور کے تحت اس کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا چند جنرلوں کو ملک کے جملہ اختیارات سپرد کئے جا سکتے ہیں جو خود پارلیمنٹ بھی ہوں حکومت بھی ہوں اور عدلیہ بھی ہوں کیا مسلح افواج آئینی حکومتوں کے تابع نہیں ہوتیں یا آئینی حکومتیں مسلح افواج کے تابع ہوتی ہیں؟

پھر سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کہ سیاسی جماعتوں میں واقعی محاذ آرائی ہے اور اس طرح ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے مسلح افواج کس طرح کریں گی۔ کیا ملک کے پانچ لاکھ فوجیوں میں استصواب رائے کرایا جائے گا؟ یا مسلح افواج کے چند بڑے افسر اس کا فیصلہ کریں گے یہی باتیں کرتے ہیں یعنی ایک بات کہتے ہیں پھر اس سے مکر جاتے ہیں۔

علاوہ ہمیشہ کہتے ہیں کہ وہ سیاستدان نہیں اور وہ سیاست نہیں کر رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سیاست ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فوج سیاست میں ملوث نہیں لیکن عملاً انہوں نے فوج کو سیاست میں ملوث کر دیا ہے اور اب کوشش یہ ہے کہ فوج کو سیاست میں دخل دینے کا آئینی جواز بھی پیدا کر دیا جائے۔ اب تک تو اس ملک کے تینوں آئینوں میں مسلح افواج کو ملک کے دوسرے اداروں کی طرح سرکاری اداروں کا ہی درجہ دیا گیا تھا اور فوج بھی دوسرے سرکاری ملازموں کی حیثیت رکھتے تھے اور انہیں ان کے فریضے یعنی ملکی دفاع کے لئے قومی خزانے سے تنخواہ دی جاتی ہے لیکن اب جناب صدر انہیں آئین سے بالاتر مقام عطا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یعنی دوسرے الفاظ میں وہ آئینی حکومتوں کا تختہ الٹنے کے لئے فوج کو آئینی اختیار سے بھی مسلح کرنا چاہتے ہیں گویا کہ وہ "کو دیتا" کو آئینی بنانا چاہتے ہیں کیا دنیا میں کبھی آپ نے CONSTITUTIONAL COUP DEETA یعنی "آئینی کو دیتا" کی اصطلاح سنی ہے۔

غالباً صدر صاحب ایک نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہیں اور وہ یہ احساس ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۳ء کے متفقہ طور پر منظور کردہ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آئینی حکومت کو اقتدار سے ہٹا کر فوج کے سربراہ کی حیثیت سے سیاسی اقتدار سنبھال لیا جسے ظاہر ہے کہ آئین کی خلاف ورزی ہی کہا جا سکتا ہے اس کا قانونی جواز اس خلاف ورزی کے ارتکاب کے بعد سپریم کورٹ سے لیا گیا جس نے فیصلہ صادر کیا کہ یہ اقدام

اگر عام سپاہیوں میں استصواب کرایا جائے گا تو پھر ملک کے جملہ عوام سے کیوں نہ دریافت کیا جائے کہ وہ مسائل کا حل جمہوری طور پر چاہتے ہیں یا مارشل لاء کے ذریعے اسے حل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا صدر ضیاء الحق قرآن وسنت سے اس تجویز کی تائید میں کوئی نظیر یا کوئی فتویٰ پیش کر سکتے ہیں۔ کیا خلفائے راشدین کے دور سے کوئی ایسی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ فوجیوں کو نظام خلافت سے بالاتر کوئی مقام دیا گیا ہو یا دنیا بھر میں موجود جمہوری نظام کی اقدار سے اس کی تائید میں کوئی حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ خالصتاً غیر اسلامی اور غیر جمہوری منصوبہ ہے اور اگر اسے نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس ملک کے عوام اس کی شدت سے مخالفت کریں گے۔ اس تباہ کن منصوبے کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مسلح افواج میں ہمیشہ کے لئے سیاست کو داخل کر دیا جائے۔ اس سے سیاسی جماعتوں کی محاذ آرائی جو دنیا بھر میں جمہوری نظام کا حصہ ہوتا ہے خود مسلح افواج کو گروہوں اور ٹکڑیوں میں تقسیم کر دے گی اور ان کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو جائے گی۔ اس کے نتیجے میں مسلح افواج کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔

بھٹو کا مسئلہ

دوسری قابل ذکر بات جناب صدر نے یہ کہی ہے کہ اگر سپریم کورٹ نے نظر ثانی کی اپیل کو مسترد کر دیا اور مسٹر بھٹو کی سزائے موت بحال رکھی تو رحم کی اپیل کا فیصلہ وہ خود نہیں کریں گے اس کے لئے فوجی کونسل اور شہری کابینہ سے مشورہ کریں گے یعنی جو کچھ فوجی کونسل کے ارکان کی اکثریت کا فیصلہ ہو گا۔ وہ اس کے مطابق عمل کریں گے صورت یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق جو بقول صدر منسوخ نہیں ہوا ہے صرف پارلیمنٹ کے ذریعہ منتخب صدر ہی رحم کی اپیلوں پر معافی دے سکتا ہے یا انہیں مسترد کر سکتا ہے۔ اب ضیاء الحق صاحب منتخب صدر ہیں نہ فوجی کونسل منتخب ادارہ ہے اور نہ موجودہ نام نہاد شہری کابینہ کوئی عوام کی منتخب کردہ حکومت ہے۔ اس صورت میں یہ تینوں ادارے کیوں کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدر صاحب کو اب یہ تشویش لاحق ہے کہ اگر انہوں نے براہ راست مسٹر بھٹو کی رحم کی اپیل مسترد کر دی تو عوام کے سامنے وہ تن تنہا اس کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے۔ اس لئے وہ دوسرے جرنیل حضرات کو بھی اس ذمہ داری میں شریک کرنا چاہتے ہیں، رہ گئی شہری کابینہ تو وہ ایک ایسے سیاسی دھڑے کی جماعتوں پر مشتمل ہے جو کھلے بندوں مسٹر بھٹو کا سیاسی مخالف ہے۔ ان کا فیصلہ تو ظاہر ہے کہ سیاسی ہو گا اور مسٹر بھٹو کے خلاف ہو گا۔ جناب صدر کیلئے بہتر یہ ہو گا کہ وہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سپریم کورٹ کے تین محترم ججوں نے مسٹر بھٹو اور میاں غلام عباس کو کلیتاً بری کر دیا ہے وہ انہیں شبہہ کا فائدہ دیتے ہوئے سزائے موت کو کم تر سزا میں بدل دیں اور اس سلسلہ میں دنیا کے مختلف ممالک کے سربراہوں کی جانب سے موصول ہونے والی اپیلوں کو بھی پیش نظر رکھیں بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اس ضمن میں وہ سندھ اور پنجاب اور دیگر علاقوں کے عوام کے جذبات کو سب سے زیادہ وزن دیں۔ کوئی ایسا کام نہ کریں جو عوام کے جذبات اور خواہشات کے منافی ہو کیونکہ اس کے نتائج اگر آج نہیں تو کل ضرور مرتب ہوں گے اور جن سے ملک کے بنیادی مفادات کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں انہیں بعض مفاد پرست سیاستدانوں بالخصوص حکمران پی این اے کی جماعتوں کے لیڈر حضرات کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئیے کیونکہ ان لوگوں میں یہ حوصلہ نہیں ہے کہ وہ پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو کو سیاسی طور پر شکست دے سکیں۔ انہیں یہ جاننا چاہئیے کہ ملک کے مسائل مسٹر بھٹو کی موت کے بعد بھی حل طلب رہیں گے بلکہ ان مسائل کی شدت میں اضافہ ہو جائے گا کیونکہ عوام مسٹر بھٹو کو شہید کا درجہ دے دیں گے۔

اگر ذرا برابر بھی شبہہ ہو تو سزا کم کر دینی چاہئیے

فرمایا صدر ضیاء الحق نے پیغمبر اسلام کے حوالے سے

امریکی ٹیلی ویژن کمپنی سی بی ایس کے نمائندہ مسٹر کولن کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے صدر پاکستان جناب جنرل ضیاء نے فرمایا کہ "پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ جب آپ کو انتہائی سزائیں دینا ہوں مثلاً چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنا ہو تو کوئی بہانہ تلاش کر لیجئے تاکہ آپ کو پوری سزا کا اطلاق نہ کرنا پڑے (یعنی سچ مچ چور کا ہاتھ نہ کاٹ دیں) بلکہ کم تر سزا دیں۔ اگر ذرہ برابر بھی شبہہ موجود ہو ——"

انہوں نے کہا کہ "اسلام کا قانون شہادت اتنا سخت ہے کہ اگر ذرا سا بھی شبہہ موجود ہو تو ہزاروں میں سے ایک کو بھی سزا نہیں دی جا سکتی۔ مثلاً یہ کہ سب سے پہلے تو ایک عینی شاہد ہونا چاہئیے اور وہ بھی ایسا کہ سچا ہو جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اور جس کا کردار شک وشبہہ سے بالاتر ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو قاضی (یعنی جج) ہو وہ بہت صالح ہو اور متعصب نہ ہو کہ اس کے کردار پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔"

اسلامی انقلاب

ایک سوال کے جواب میں صدر نے یہ فرمایا کہ پاکستان میں "اسلامی انقلاب" کی تکمیل ہو گئی ہے اور اس کے لئے دلیل یہ پیش کی کہ "ہم قوانین کو اسلامی بنانے کے راستے پر آگے بڑھ رہے ہیں"۔ اس سے زیادہ غیر منطقی بات کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اسلامی انقلاب کی تکمیل محض قوانین کو اسلامی بنا دینے سے ہو گئی۔ اسلام تو تیرہ سو سال سے موجود ہے اور لوگ نصوص اسلامی سے بھی واقف ہیں۔ محض قوانین اور سزاؤں کے نفاذ سے موجودہ معاشرہ اسلامی معاشرہ میں تبدیل نہیں ہو سکتا جس ملک میں غربت، افلاس، ناخواندگی، اقتصادی لوٹ کھسوٹ اور چور بازاری، منافع خوری، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ جیسے معاشرتی جرائم موجود ہوں۔ اسے نہ اسلامی معاشرہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں اسلامی انقلاب کی تکمیل ہو گئی ہے۔

ایران اور پاکستان کا تقابل

مسٹر کولن کے ایک سوال کے جواب میں جناب صدر نے بڑی دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز باتیں ارشاد فرمائیں ان سے پوچھا گیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ پر ان دنوں بڑا زور دیا جا رہا ہے اور ادھر ایران میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو گیا ہے جو قدرے تشدد آمیز ہے اور آپ کے یہاں بھی گڑبڑ ہے کیا ان دونوں میں مماثلت پاتے ہیں؟ جناب صدر نے جواب دیا کہ ہم نے اپنا حصہ (یعنی اسلامی انقلاب) ۸ مارچ ۱۹۷۷ء سے جولائی ۱۹۷۷ء تک حاصل کر لیا جبکہ ایران میں یہ اب ہو رہا ہے۔ جناب صدر کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جو انقلاب ایران میں اب ہو رہا ہے ویسا انقلاب قدرے پر امن طریقہ سے مارچ ۱۹۷۷ء سے جولائی ۱۹۷۷ء تک تکمیل پا گیا جناب صدر پتہ نہیں کیا کہنا چاہتے ہیں ایران اور پاکستان کے واقعات میں کوئی مماثلت نہیں ایران میں عوام جمہوریت اور بنیادی حقوق کے حصول اور شہنشاہیت کے خاتمہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اس مقصد کے لئے ہزاروں کی تعداد میں انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور آخر بڑی حد تک اس مقصد میں کامیاب ہوئے ایران میں عوامی انقلاب کی مخالف طاقتیں شاہ ایران اور مسلح افواج تھیں شاہ کو نکال دیا گیا اور اب مسلح افواج کے بڑے بڑے جرنیلوں کا احتساب ہو رہا ہے اس کے برعکس پاکستان میں مسلح افواج نے ایک آئینی جمہوری حکومت کا تختہ الٹا اور عوام کو جمہوریت بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں سے محروم کر دیا یہاں اسلام کے نام پر عوام کو ان کے حقوق سے محروم کیا گیا ایران میں اسلام کے نام پر ایرانی عوام کو بادشاہت سے نجات دلائی گئی

(باقی صفحہ ۵ پر)

بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ملک کی بدنصیبی ہوگی

فضل الٰہی چوہدری سابق صدر پاکستان کی جنرل ضیا کے نام اپیل کا مکمل متن

دس سال پہلے انہی وجوہات کی بنا پر ملک ٹوٹا تھا

موجودہ صدر کو سابق صدر سے ملنے کی فرصت نہ تھی

کوہ نور گیسٹ ہاؤس
پشاور روڈ راولپنڈی
مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۷۹ء

عزیز جناب صدر،

۱۰ فروری کی شام کو میں اس توقع کے ساتھ راولپنڈی آیا کہ ملک کو درپیش لیکن شدید مسائل پر گفتگو کے لئے ۱۱ یا ۱۲ فروری کو آپ سے ملاقات کرسکوں۔ بدقسمتی سے آپ کے لئے یہ ممکن نہیں ہوا کہ کچھ وقت نکال سکیں۔ آپ دوسرے مسائل میں بے انتہا مصروف تھے۔

میرا ارادہ ۱۳ تاریخ کی صبح لاہور کے لئے روانگی کا ہے۔ میں نے اسے مناسب سمجھا ہے کہ چند ایسے فوری مسائل کے بارے میں آپ کو لکھوں جن پر آپ کے فوری غور کی ضرورت ہے۔

پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے لئے سزائے موت کے سپریم کورٹ کے حکم پر عمل درآمد ایسا معاملہ ہے جو نہ صرف پاکستان بلکہ بین الاقوامی برادری کے لئے گہری تشویش کا باعث ہے۔ قومی سطح پر اس سے مادرِ وطن کی آزادی، سالمیت اور خودمختاری کو خطرہ لاحق ہے اور بین الاقوامی سطح پر اس سے ایک ایسے علاقے

←

ہیں جو تمام دنیا کی معیشت اور سیاست کے تئے جنگی اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ عدم استحکام میں لازمی طور پر ابتری پیدا کرے گا۔

گزشتہ ۳۰ سال میں پاکستان میں جن پالیسیوں پر عملدرآمد کیا گیا ہے اس کے نتیجے میں سیاسی، اقتصادی اور سماجی طاقتوں کے عمل اور ردِعمل نے نہ صرف طبقات کے درمیان بلکہ ملک کے علاقوں کے درمیان صف بندی کو جنم دیا ہے۔ ابھی ۱۰ برس بھی نہیں گزرے جبکہ انہی وجوہات کی بنا پر ملک ٹوٹا تھا۔ آج مزید تباہیوں کا بھوت بدشگونی کے ساتھ افق پر نمایاں ہے۔ اگر ایشیا کے تمام جنوبی کنارے اور پڑوسی افریقہ میں شدید تبدیلیوں کی تیز ہوائیں نہ چل رہی ہوتیں تب بھی صورتحال عظیم بدنصیبیوں سے پُر ہوتی۔

لیکن پڑوسی ملک کی صورتحال میں جیسی کہ وہ ہے، پاکستان کو ایک انتہائی ناخوشگوار بدنصیبی میں گھرے جانے کا خطرہ ہے، سیاسی اور جذباتی مواد کا حامل کوئی بھی واقعہ اس عمل کی ابتدا کر سکتا ہے۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینا ایک فلیتے سے بہت زیادہ فراہم کرے گا۔ دبا دیا ردِعمل باآواز ہو سکتا ہے اور بالآخر پُرجوش تشدد میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا انتشار قومی دشمنوں کی خواہشات کی یقیناً تکمیل کرے گا۔

یہ بلاوجہ نہیں ہے کہ ساری مہذب دنیا کے رہنما ان تباہ کن نتائج کے بارے میں پریشان اور متفکر ہیں جو پاکستان کے سابق وزیرِ اعظم کو پھانسی دینے کے بعد ظہور میں آسکتے ہیں۔ مجوزہ اقدام لازمی طور پر وفاق کو تقویت دینے کی بجائے اس کے جسم و روح پر بوجھ ڈالے گا وہ عناصر جو اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے پر تلے ہوئے ہیں ان کی حوصلہ افزائی ہوگی کہ وہ جلد یا بدیر اس نازک ڈھانچے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

فیصلے کی انوکھی خصوصیات اتنی ٹھوس اور نمایاں ہیں کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اولاً ۳ معزز ججوں نے صاف بری کرنے کا فیصلہ صادر کیا ہے۔ صرف یہی ایک حقیقت لازماً لوگوں کے ذہن میں اس سخت ترین سزا پر عمل درآمد کی معقولیت کے بارے میں شبہات پیدا کرے گی۔ انتظامیہ کی جبلّی صوابدید عدلیہ کے وقار پر ذرہ برابر بھی حرف لائے بغیر روبکار آسکتی ہے۔

دوئم یہ کہ تاریخ کا سبق یہ ہے کہ فوجداری مقدمات میں عدالتوں کی طرف سے دی جانے والی ایسی سزاؤں سے جو سماجی، سیاسی، علاقائی، قومی اور بین الاقوامی حاوی عناصر کی حامل ہوں، معافی اور تخفیف کے ذریعے بہتر طور پر نمٹا جا سکتا ہے۔ عدالتیں پالیسی اور طریقۂ کار کے طور پر ایسے معاملات پر غور نہیں کرتیں اور یہ زیادہ بہتر طور پر کسی مناسب اقدام کے لئے انتظامی حکومت پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

سوئم یہ کہ یہ بدنصیب اتفاق ہے، جس کی طرف ذرائع ابلاغ کے بعض مبصرین نے نشاندہی کی ہے کہ ملزم کے انجام کے بارے میں اپنے نتائج اخذ کرنے میں اس مقدمے میں اقلیتی صوبوں سے سپریم کورٹ میں آنے والے ججوں نے اکثریتی صوبے سے آنے والے تمام کے تمام ججوں سے اختلاف کیا ہے۔ یہ تبصرہ افسوسناک ہے اور میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ اسے نمایاں حیثیت نہیں دی جانی چاہیے تھی مگر سربراہ مملکت کو، جو ملک کے اتحاد کی علامت ہے، اس کا نوٹس لینا چاہیئے۔ یہ ان کا کام ہے کہ اپنے آئینی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے انصاف میں رحم کی آمیزش کر کے ان دونوں نکتہ ہائے نظر کو کسی حد تک ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا اقدام کسی بھی طرح اکثریتی فیصلے کے برحق ہونے سے انحراف نہیں کر سکتا۔

میں توقع کر سکتا ہوں کہ آپ کے قیمتی وقت میں اس مداخلت کا آپ بُرا نہیں منائیں گے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، چونکہ مجھے یہ مسئلہ پاکستان کے مستقبل کے لئے گمبھیر نتائج کا حامل محسوس ہوا۔ اس لئے میں اپنے نکتہ نظر سے آپ کو آگاہ کرنے سے خود کو نہ روک سکا۔

بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپکا مخلص

فضل الٰہی چوہدری

سابق صدر پاکستان

جنرل محمد ضیاء الحق

صدر پاکستان

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

چیف آف آرمی اسٹاف

**

ملک اور قوم کے مفاد میں سزائے موت منسوخ کی جائے

سو سے زائد ممتاز صحافیوں، ادیبوں، اساتذہ، آرٹسٹوں اور دانشوروں نے صدر پاکستان سے اپیل کی ہے کہ انسانی بنیادوں پر اور ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں سابق وزیرِ اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مقدمۂ قتل میں ملوث دیگر چار افراد کی سزائے موت معاف کر دی جائے۔

دستخط کنندگان نے بیان میں کہا ہے کہ مسٹر بھٹو اور دیگر افراد کو شک کا فائدہ درج ذیل اسباب پر دینا چاہیئے اور اس پر ہمدردانہ غور کرنا چاہیئے۔

اپیل کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ کے بنچ میں ججوں کی تعداد ۹ سے ۷ کر دی گئی اور ان میں سے بھی تین ججوں نے الزام سے مسٹر بھٹو کی قطعی بریت اور رہائی کا حکم دیا۔

ایک ووٹ کے اکثریتی فیصلے نے وسیع پیمانے پر عوام کے ذہنوں میں شکوک پیدا کر دیئے ہیں۔

مقدمے کی سماعت کے دوران ملک میں یہ حالات رہے کہ بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کو سلب کیا گیا، اختلاف کو دبایا گیا۔ غیر معمولی قوانین نافذ کئے گئے، پریس کی آزادی پر حملے کئے گئے، اختلاف کرنے والے اخبارات اور جرائد پر سنسر شپ لگائی گئی اور یکطرفہ احتساب کا عمل جاری رہا۔

اور صدر پاکستان کو اقوام متحدہ کے رکن ممالک بشمول تمام بڑی طاقتوں، مسلم اور تیسری دنیا کے ممالک کے سربراہوں کی طرف سے جان بخشی کی اپیلیں ملی ہیں۔

دستخط کنندگان نے صدر پاکستان سے یہ بھی اپیل کی ہے کہ وہ شہری آزادیاں اور بنیادی انسانی حقوق بشمول حق ہڑتال بحال کریں۔ غیر معمولی قوانین کے تحت سزا یافتہ یا نظر بند تمام مزدوروں، کسانوں، طلباء اور دیگر افراد کو رہا کریں۔ بدنام زمانہ پریس آرڈیننس اور دیگر کالے قوانین منسوخ اور سنسر شپ ختم کریں اور آزادی صحافت کی ضمانت دیں اور ملک کی ترقی استحکام اور سالمیت کے مفاد میں جلد سے جلد الیکشن کرائیں۔

اس بیان پر ان افراد کے دستخط ہیں:۔

پروفیسر کرار حسین (سابق وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی) سلطان احمد (ایڈیٹر ویزلنہ سن) غلام عباس، فہمیدہ ریاض (ایڈیٹر آواز) سبط حسن ہاجرہ مسرور، شوکت صدیقی، سعیدہ گزدر (ایڈیٹر پاکستانی ادب) ڈاکٹر فیروز احمد (ایڈیٹر پاکستان فورم) فرہاد زیدی، منہاج برنا (صدر پی ایف یو جے، چیئرمین ایپنک) ارشاد راؤ (چیف ایڈیٹر ذوالفقار) وہاب صدیقی (ایڈیٹر الفتح) واحد بشیر (ایڈیٹر ذوالفقار) ایم۔ انور،

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

بیگم صاحبہ نے کہا، انتقام نہیں لیں گے سکینہ بھٹو کو بری کو

بھٹو اعصابی جنگ میں شدت، پھانسی کی تیاریوں میں بات چیت کا چرچا

ملٹری جنتا نے فیصلہ کیا ہے کہ جونہی سپریم کورٹ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل مسترد ہو، سپریم کورٹ کے فیصلے پر خاموشی سے اس طرح عمل کر دیا جائے کہ لوگوں کو اگلے روز معلوم ہو۔ اس سلسلے میں تمام انتظامات اس طرح کئے گئے ہیں کہ سزا پر عملدر آمد سے ایک روز پہلے مسٹر بھٹو کے اہلِ خانہ سے ان کی آخری ملاقات کرا دی جائے گی اس کے بعد انہیں رات کو ہی اس مقام پر منتقل کر دیا جائے گا جہاں انہیں سزائے موت دی جانی ہے۔ سزائے موت کے بعد ان کی نعش ملٹری ہیلی کاپٹر میں لاڑکانہ پہنچا دی جائے گی جہاں انہیں سرکاری نگرانی میں سپردِ خاک کر دیا جائے گا۔ اس تمام صورت حال کی اطلاع اخبارات کے ذریعے اگلے روز لوگوں کو اس وقت ہو گی جب تدفین بھی ہو چکی ہو گی۔ اس وقت تک تمام اہلِ خانہ حراست میں رہیں گے اور کسی کو بھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ حکمرانوں نے اس سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں اور پنڈی کے علاقے میں جہاں مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کا پروگرام ہے جیل کو ٹھیک کیا جا رہا ہے حفاظتی انتظامات وہاں بھی سخت کر دیئے گئے ہیں۔ فوج کا پہرہ بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ حکومت کو ملک اور اس بے چینی میں پیدا ہونے والے واقعات نے بھی اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ پھر کچھ عالمی طاقتوں کے رویے نے بھی صورتحال کو تبدیل کیا ہے اور ان تمام انتظامات کو آخری شکل دینے کے ساتھ ساتھ بات چیت کے آخری راؤنڈ کی تیاری بھی ہو رہی ہے کہ خوف و ہراس، مایوسی اور ناکامی کی اس ساری فضا میں جب بات چیت ہو تو پھر مسٹر بھٹو کو پیش کردہ شرائط پر معافی دی جا سکے اس سلسلے میں بھاگ دوڑ برابر جاری ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے کہا ہے کہ پہلے تمام معاملہ طے کر لو تاکہ بات چیت کے دوران کوئی معاملہ طے ہونا باقی نہ

بشیر احمد انار (ایڈیٹر روزنامہ صداقت کراچی) نبی احمد (سیکریٹری جنرل یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن) نایاب نقوی (صدر یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن) ایس پی لودھی (سیکریٹری کراچی ورکرز رابطہ کمیٹی) شفیع کلوڑ (جوائنٹ سیکریٹری یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن) شمیم واسطی (جنرل سیکریٹری پاکستان ورکرز فیڈریشن) خالد علیگ (ایڈیٹر مساوات کراچی) بشیر مرزا، فضل امام (نیوز ایڈیٹر روزنامہ ڈان) حضور احمد شاہ (صدر کراچی پریس کلب) ظفر رضوی (نیوز ایڈیٹر روزنامہ جنگ) مخدوم رفیق (ایڈیٹر روزنامہ نجات سکھر) افضل صدیقی (ایڈیٹر روزنامہ امن کراچی) محمود شام (ایڈیٹر معیار) افسر آذر (چیف ایڈیٹر راز دان) واجد شمس الحسن (ایڈیٹر ڈیلی نیوز) اکرم دھیچہ (صدر لیبر آرگنائزنگ کمیٹی سندھ) شمیم اصغر (پبلسٹی سیکریٹری کراچی ورکرز رابطہ کمیٹی) غازی صلاح الدین، عمر دین بیدار، جوہر میر، مسرت جبیں (سابق ایڈیٹر اخبار خواتین) رعنا فاروقی (ایڈیٹر دوشیزہ) محمد علی صدیقی، صلاح الدین حیدر، شاہد سجاد حسن عابدی، پیکر نقوی (صدر کے یو جے) احفاظ الرحمٰن (جنرل سیکریٹری کے یو جے) شیخ رحیم، آئی ایچ زیدی، عبدالحمید چھاپرہ، محمود علی اسد (صدر اپنیک کراچی) حبیب خان غوری (سیکریٹری کراچی پریس کلب) امیر محمد خان (سیکریٹری اپنیک کراچی) رفیق چوہدری (سیکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین کراچی) جی ایم غیاث الدین، سمیع احمد، ایم اے مجید، ایس ایم آزاد، داؤد سبحانی، نبی اعظمی (صدر مساوات ایمپلائز یونین کراچی) محمد جامی، بصیر نوید، ناصر بجہی، شہریار جلبیس، نعیم آروی، مقبول جلیس (ایڈیٹر پیمان) صمدانی، امجد علی، حیدر امام، اے۔ خان جیلانی، اشرف شاد (انتظامی مدیر معیار) ایم ضیاء الدین، ظفر انجم، ایم این بیگ، جی ڈی غوری، طاہر نجمی (صدر امن ایمپلائز یونین) موسیٰ طائر (صدر ہلال پاکستان ورکرز یونین) آغا مسعود حسین، نظام صدیقی، علی احمد خان، عبدالرشید عباسی (سیکریٹری اپنیک پشاور) صبیح الدین غوثی، قمر عباس جعفری، حاجی عدیل، عبدالوحید خان (نیوز ایڈیٹر مساوات کراچی) ناصر بیگ چغتائی، ظفر احمد، اے کے نظامانی، صباح الدین صبا، اے۔ جی رحمانی، خورشید انور (سیکریٹری مساوات ایمپلائز یونین کراچی) سید محمد صوفی، لطافت صدیقی، مرزا احمد بیگ، جی این مغل، فاروق پراچہ، مسرور کمال، عبدالقدوس، دستگیر بھٹی، انور سمیع، ظفر قریشی، سعید اقبال، فدا حسین، سید فیض علی، ساجد علی ساجد، حسن سنگرامی، اے بی کھوڑو، اسلم آزاد، الطاف صدیقی، عنایت حسین، جمیل ملک، شمیم عالم، ایاز عاصی۔ ■

رہے، اس وقت تک وہ خود درمیان میں نہیں آ رہے۔ البتہ پاکستان پیپلز پارٹی کی سینیئر قیادت کا ملٹری جنتا کے اعلیٰ احکام سے بھی رابطہ ہے، اور ان برادر مسلم ممالک کے زعماء اور قائدین سے بھی جو اس بات چیت کی داغ بیل ڈالنے کا باعث بنے ہیں۔ بیگم نصرت بھٹو نے تو بڑی واضح یقین دہانی کرادی ہے کہ پیپلز پارٹی انتقام نہیں لے گی، پھر انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ پیپلز پارٹی جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بات چیت کے لئے میز پر آنے کو تیار ہے۔ دونوں باتیں مثبت اور واضح یقین دہانی کے ضمن میں آتی ہیں مگر حکمران اور حکومت کے سربراہ کوئی ایسی ٹھوس مثبت اور قول پر دوت صورتحال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے لئے تمام وہ ضروری تحفظات لازماً مہیا ہوں۔ جو بات چیت کے دوران طے پائیں گے۔ شدید ترین نفسیاتی دباؤ کے ان حربوں سے مسلح ہو کر ملٹری جنتا کا یقین ہے کہ بھٹو گھٹنے ٹیک دیں گے کہ صرف اسی صورت میں ان کی جان بچنے کی کوئی امید ہے۔ اس تمام صورتِ حال کو واضح کرتے ہوئے باخبر ذرائع نے کہا ہے کہ فیصلہ پر عمل درآمد کی تیاریاں دباؤ ڈالنے کے لئے کی جا رہی ہیں اور پھر مقصد یہ بھی ہے کہ اگر بات نہ بنے تو پھر فوراً ہی فیصلہ پر عمل درآمد کر دیا جائے۔ دوسری جانب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے قریبی ذرائع نے بتایا ہے کہ رابطہ کے بعد یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ بات چیت اس وقت شروع ہو گی جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو باعزت بری کیا جائے۔ ورنہ دوسری صورت میں پھانسی کا پھندا ہی قبول ہے۔ مسٹر بھٹو کی باعزت رہائی کی بات اس لئے آگے نہیں چلی ہے کہ نظر ثانی کی اپیل سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ پاکستان اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دوراہے پر کھڑا ہے۔ ان میں سے ایک راستہ تباہی کی طرف اور دوسرا سلامتی کی طرف جاتا ہے۔ اگر اس وقت راستہ چننے کے فیصلہ میں ہم سے ذرا بھی غلطی ہو گی تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی جسٹر بھٹو کے الفاظ میں ہی "ہر فیصلے کے لئے ایک موزوں وقت ہوتا ہے۔ اگر فیصلہ وقت پر نہ کیا جائے تو وہ اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے"۔

ملٹری جنتا نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے اہلِ خانہ پر اپنا دباؤ شدید کر دیا ہے۔ بھٹو قید کی کوٹھڑی میں بند ہیں اور اس طرح بند ہیں کہ کوئی ان سے ملنے کا تصور بھی کرے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ حفیظ پیرزادہ مسٹر بھٹو سے ملنے گئے تو نصف گھنٹہ روتے ہی رہے۔ بعد میں بھی وہ ان حالات پر سوچ لیں تو رو پڑتے ہیں۔ بیگم بھٹو اور صاحبزادی بے نظیر کو سہالہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ سارے نفسیاتی حربے ہیں مگر جن لوگوں پر یہ حربے استعمال کئے جا رہے ہیں ان کے اعصاب کی مضبوطی نے استعمال کرنے والوں پر گہرا اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ اضطراب اور بے چینی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے، فولادی اعصاب کا شخص بھی ان حالات میں ٹوٹ پھوٹ جاتا مگر یہاں تو دوسروں کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں اگر کسی کو پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ نواب صادق حسین قریشی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اعصابی بیماری کیا ہوتی ہے اور اس کا حملہ کیسے شروع ہوتا ہے اب تو اعصابی بیماری کے ابتدائی اور انتہائی مریض یہاں موجود ہیں۔ طاقت کے نشے میں سرشار بدمست ہاتھی کی طرح جھومتے ہوئے اور چلتے میں گرتے ہوئے محسوس ہونے والے لوگ اب راتوں کو آرام کی نیند نہیں سو سکتے کہ چونک پڑتے ہیں اور بقیہ رات پھر جاگ کر ہی بسر ہوتی ہے۔

بھٹو خاندان کی بجائے
مخالفین کے اعصاب
جواب دے رہے ہیں

جنرل محمد ضیاء الحق نے برطانوی نشریاتی ادارے سے انٹرویو کے دوران کہا کہ قانون کی حکمرانی برقرار رہے گی۔ انہوں نے سپریم کورٹ کے اکثریتی فیصلہ کے بارے میں کہا کہ اگر یہ فیصلہ متفقہ ہوتا تو بھی انہیں اسے نافذ کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ جنرل ضیاء الحق کی یہ بات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو عوام کے مقبول اور مقتدر رہنما ہیں۔ ان کی بیرونِ ملک بھی دوستیاں ہیں۔ انہی دوستیوں کا حوالہ دیتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ جان بخشی کی یہ اپیلیں سیاستدانوں کی ٹریڈ یونین تحریک کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہیں۔ یقیناً ایسی باتوں سے اچھا تاثر نہیں ابھرتا۔ ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ پاکستان کے سربراہ کو بڑی باوقار بات کہنی چاہیئے کہ ان کی باتوں سے ہمارے قومی تشخص کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ترکے میں دو چیزیں چھوڑیں۔ پاکستان اور مسلم لیگ۔ پاکستان تو اب باقاعدہ قبضہ میں ہے مگر مسلم لیگ پر باقاعدہ قبضہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو پہلے متحد کیا جائے۔ چنانچہ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے جناب ضیاء الحق نے مسلم لیگ کو متحد کرنے کا بیڑہ اٹھایا مگر یہ خواہش ناتمام رہی ہے۔ لے دے کر ۱۹۷۵ء کے کونسلرز کی فہرست پر بات چیت طے ہو گئی مگر اب محمد حسین چٹھہ صاحب نے فہرست دیکھی تو وہ اس صورتِ حال سے متفکر ہو گئے ویسے عجیب و غریب بات ہے، پرانی فہرستوں پر کام کرنا ہے تو نئی انتخابی فہرستیں بنوانے کی بھی کیا ضرورت تھی ۱۹۷۵ء سے اب تک حالات میں جو تبدیلی ہوتی ہے اس کا اثر کونسلرز کی اس فہرست پر بھی پڑا ہے مثلاً راولپنڈی سے سید اصغر علی شاہ مسلم لیگ کے کونسلر ہیں۔ مگر دراصل وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے رکن ہیں اور ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جیت بھی چکے ہیں کہ ان کے پاس پیپلز پارٹی کا ٹکٹ تھا۔ محمد حسین چٹھہ اور ان کے گروپ کا کہنا ہے کہ بھلا ایسی فہرست ہمیں کیسے قابلِ قبول ہو سکتی ہے جس میں اب پیپلز پارٹی کے افراد کو بطور کونسلر بھرتی کیا ہوا ہے۔ اس لئے مسلم لیگ کا معاملہ مسلسل کھٹائی میں پڑا ہوا ہے اور اس کے سلجھنے کی کوئی صورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ اقتدار پسند مسلم لیگ شاہ سے وفاداری میں اس قدر آگے نکل گئی ہے کہ اس کی واپسی اب مشکل ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر کے فوجی جنتا بڑی خوش نظر آتی تھی۔ مگر پریس کانفرنس کی جو کارروائی ہمیں دوسرے ذرائع سے معلوم ہوئی اس کے مطابق تو اخبار نویسوں نے چبھتے ہوئے سوالات کئے اور ایک اخبار نویس نے صاف صاف پوچھ لیا کہ آخر چند مفاد پرستوں کے ساتھ کو پوری قوم کی امنگوں کا ترجمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔ پروفیسر خورشید نے کرسی پر پہلو تو بدلا ہوگا۔

خبر ہے کہ صدر مملکت، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے بری افواج کے چیف آف سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کے موجودہ عہدے کی میعاد میں غیر معینہ مدت تک کے لئے توسیع کر دی گئی ہے۔ یہ توسیع اس لئے ضروری تھی کہ چیف آف سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کی مدت ملازمت فروری ۱۹۷۹ء کے اختتام کے ساتھ ختم ہو رہی تھی اور اس لئے بھی ضروری تھی کہ اسی عہدے کے حوالے سے جناب جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات کی بنیاد پر صدرِ مملکت کہلاتے، اگر آئندہ دنوں میں وہ اپنے چیف آف سٹاف کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو جاتے تو باقی دونوں عہدے ایک طاقتور بنیاد سے محروم ہو جاتے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ ریٹائرڈ ہو جاتے تو صدرِ مملکت کی حیثیت سے ان کے اقتدار کو کون سا خطرہ لاحق ہو جاتا، وہ چیف آف سٹاف کہلائے بغیر بھی تو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کہلا سکتے تھے، خود ان کے پیشرو جناب ذوالفقار علی بھٹو بھی تو کسی فوجی عہدے کے بغیر کچھ عرصے کے لئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر رہ چکے ہیں مگر یہ حجت شاید اس لئے درست نہ ہوگی کہ جناب بھٹو ۱۹۷۳ء کے آئین کی رُو سے اس ملک کی مسلح افواج کے سپریم کمانڈر بھی رہ چکے ہیں جو کہ چیف آف سٹاف کے عہدے سے یقیناً بہت بڑا عہدہ تھا۔ مگر عملی اعتبار سے ثابت یہ ہوا کہ سپریم کمانڈر کا عہدہ محض ایک رسمی عہدہ تھا۔ آئین میں تو مارشل لاء کے کبھی واپس نہ آنے کی ضمانت بھی موجود تھی۔ مگر آئین مارشل لاء کی واپسی نہ روک سکا۔ پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ چیف آف سٹاف کے عہدے کے بغیر جنرل محمد ضیاء الحق صدرِ مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدوں پر فائز رہ سکتے تھے۔

بھٹو کی جان بچانے کے لئے کوشش
ملک بدری اور سیاست میں حصّہ نہ لینے کی شرائط

سپریم کورٹ میں سابق وزیر اعظم بھٹو کی طرف سے سزائے موت پر نظرِ ثانی کی پٹیشن کو سماعت کے لئے منظور کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں باقاعدہ سماعت ۲۴ فروری کو ہوگی۔ دریں اثنا بھٹو کے وکیلوں کی ایک اور درخواست کو بھی منظور کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے نظرِ ثانی کی درخواست پر فیصلے تک سزائے موت پر عمل درآمد روک دیا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد سیاسی فضا میں پیدا شدہ کشیدگی میں ظاہری طور پر کمی ضرور ہوئی ہے مگر "لاوا" مزید تیزی سے پک رہا ہے۔ سیاسی اور عدالتی ایوانوں میں پیدا شدہ صف بندی کی سی صورتِ حال جوں کی توں موجود ہے۔ باخبر سیاسی حلقوں کے مطابق نظرِ ثانی کی درخواست کی منظوری کے نتیجے میں فی الحال سب سے زیادہ سیاسی فائدہ جنرل محمد ضیاء الحق کو پہنچا ہے جن کی پوزیشن کافی مضبوط ہو گئی ہے۔ پیر پگاڑو، بھٹو کے فیصلے سے پہلے علی الاعلان کہنے لگے تھے کہ جنرل ضیاء کے دن گنے جا چکے ہیں اور وہ کچھ دنوں کے مہمان ہیں اور اشارۃً کہنے لگے تھے کہ اب جی ایچ کیو کی دوسری لابی حاوی آنے والی ہے جس سے ان کی اہمیت پھر بڑھ جائے گی۔ یہی حالت تحریک استقلال اور جمعیت علمائے پاکستان کی سیاست کی ہے۔ پیر پگاڑو بیچارے کے تو پھر بھی اتنے سیاسی عزائم نہیں تھے۔ ان کی حیثیت تو بقول ان کے جی ایچ کیو کی ایک لابی کے وفادار کی سی تھی مگر تحریک اور جمعیت العلمائے پاکستان والوں کی بڑی بری حالت ہوئی ہے۔ ایسے لگتا تھا کہ اصغر خان نے تو ساری تیاری مکمل کر لی تھی۔ کہ ادھر سپریم کورٹ کی طرف سے بھٹو کو سزا سنائی جائے گی اور دوسرے دن اس سزا پر عمل درآمد کر کے ان کے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے اعلان سے کچھ دن پہلے ایئر مارشل صاحب کراچی میں نازل ہوئے تھے ہر ایک کو خوشخبری سناتے پھرتے تھے کہ اقتدار ان کے پاس آنے والا ہے۔ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونے کے لئے اس حد تک تیار تھے کہ کرتہ پاجامہ اور واسکٹ ترک کر کے پھر فل سوٹ پہننا شروع کر دیا۔ نہ صرف اصغر خان بلکہ ان کی پارٹی کے دوسرے رہنماؤں کی بھی یہی حالت تھی۔ میاں محمود علی قصوری تو یہ کہتے سنے گئے کہ بھٹو کے فیصلے کے بعد ۱۸ ماہ رہنے والے ۱۸ دن بھی نہیں رہیں گے اصغر خان صاحب نے بھٹو کی موت کو کیش کرنے اور ان کے سیاست سے ہٹ جانے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے حکمتِ عملی تک تیار کر لی تھی۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد سیاسی طور پر سندھ کو فتح کرنے کے لئے پلاننگ کی جا رہی تھی۔ مگر ہائے ری قسمت۔ جو داؤ پڑا ہے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کیا جائے۔ اصغر خان جو ایک لابی کی یقین دہانیوں پر مکمل انحصار کئے ہوئے تھے سپریم کورٹ کی طرف سے نظرِ ثانی کی اپیل کی سماعت کے فیصلے کے بعد اپنے آپ کو ایک ایسی مشکل میں محسوس کر رہے ہیں جس سے نکلنے کے لئے انہیں کوئی جرأت مندانہ فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ورنہ وہ سیاسی طور پر مکمل طور پر ختم ہو کر رہ جائیں گے اور وہ طریقہ ایک ہی ہے کہ اب کھل کر بات کریں۔ سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی فوری ختم کرنے اور بلا تاخیر انتخابات کی تاریخ کا اعلان کروانے کے لئے مہم شروع کرنے کے ساتھ حکومت پر "سیاسی دباؤ" ڈالنا شروع کریں کہ بھٹو کی جان بخشی کی جائے۔ اس وقت ایسا کرنے سے، بعد میں بھٹو کو سزائے موت دیئے جانے یا ان کی جان بخشی کی صورت میں اصغر خان زبردست سیاسی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس طرح وہ یہ اثر

بھی تاثل کر سکتے ہیں کہ وہ ایک طرف بھٹو کو سزائے موت دیئے جانے کے حق میں ہیں تو دوسری طرف ان کی سزائے موت کے بعد جھوٹ موٹ کا احتجاج بلند کر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جو حال اصغر خان اور پیر پگاڑو کا ہوا ہے وہی حال اسی لابی کا بھی ہے جس کی یہ لوگ نمائندگی کرتے تھے۔ عام تاثر یہ تھا کہ بھٹو کی سزائے موت کے بعد موجودہ چہرے تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ اور نئے چہرے آگے آئیں گے مگر نظر ثانی کی درخواست کی سماعت کے فیصلے کے بعد جنرل صاحب کی چیف آف اسٹاف کی میعاد میں توسیع پر "ہر ایک" راضی ہو گیا ہے۔ اب صورت حال پوری طرح جنرل ضیا صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے اس عہدے کی توسیع کی نوعیت ایسی وسیع ہے کہ اب نئی منتخب حکومت ہی نیا چیف آف اسٹاف مقرر کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ جنرل ضیا صاحب کے عہدے کی میعاد اس ماہ کے آخر میں ختم ہو رہی تھی اور اس "بات" پر کئی لوگوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ اور تو اور جمعیت العلمائے پاکستان والے بھی کہنے لگے کہ موجودہ حکمران زیادہ سے زیادہ مارچ تک ہیں اور ان کے بعد نئے لوگ آئیں گے اور جماعت اسلامی کی موجودہ حیثیت ختم ہو جائے گی۔ مگر یہ خواہشیں ادھوری رہ گئیں۔ اب تو جمعیت کو بھی لینے کے دینے پڑ گئے ہیں ایک تو ان کی یہ مراد پوری نہیں ہوئی۔ دوسری یہ کہ ۱۲ ربیع الاول کو جنرل ضیا کی طرف سے اعلان کردہ اسلامی قوانین پر بھی وہ سوچ سمجھ کر کوئی موقف ظاہر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ معلوم ہوا ہے کہ اعلان کے بعد ملک میں جمعیت کے اکثر رہنماؤں نے اس اعلان کو برائے نام قرار دیا مگر جب دوسرے دن انہوں نے اخبارات میں مولانا شاہ احمد نورانی کا بیان پڑھا تو ہکا بکا رہ گئے ہیں معلوم ہوا ہے کہ مولانا نورانی کے اس فوری ردِ عمل کو غیر دانشمندانہ قرار دے کر اس پر پارٹی میں سخت نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ جمعیت کے قریبی ذرائع کے مطابق مولانا نورانی بھی فوری طور پر اس قسم کا بیان دینا نہیں چاہتے تھے، وہ کوئی بھی بیان دینے سے پہلے جمعیت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اراکین کے ساتھ مشورہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کو یہ بیان دینے پر مجبور کر دیا گیا اور یہ دباؤ ان پر جمعیت کی پنجاب لابی کی طرف سے ڈالا گیا جس کی سربراہی جمعیت کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالستار نیازی کر رہے ہیں۔ مولانا نورانی کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے فوری طور پر اس قسم کا بیان نہ دیا تو پنجاب جمعیت کوئی ایسا ردِ عمل ظاہر نہ کر بیٹھے جو اور زیادہ حکومت نواز ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں کراچی میں جمعیت العلمائے پاکستان کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں ۱۲ ربیع الاول کے اعلان کے بارے میں پارٹی موقف تیار کرنے میں کافی لے دے ہوئی اور متفقہ موقف پر پہنچنے میں کافی دِقت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی "جزوی کامیابی" قرار دیا گیا ہے۔

پی پی مخالف سیاسی جماعتوں کی یہ حالت ہے جبکہ دوسری طرف پی پی کے مرکزی رہنما ابھی تک جیل سے باہر ہیں۔ وہ اپنے رہنما مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بچانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان کا تعلق قانونی جنگ اور سفارتی جنگ سے ہے۔ پی پی کے رہنماؤں کا ایک گروپ قانونی جنگ کے ذریعے بھٹو کی جان بچانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک درخواست پی پی کے رہنما مسٹر ممتاز علی بھٹو کی طرف سے سندھ ہائی کورٹ میں داخل کی گئی ہے۔ جس میں اس بات کو چیلنج کیا گیا ہے کہ چیف جسٹس مسٹر انوار الحق پاکستان کے قانونی چیف جسٹس نہیں ہیں، اور کہ اب بھی جسٹس یعقوب علی خان پاکستان کے قانونی چیف جسٹس ہیں۔ اب تک اس پٹیشن کی ایک سماعت ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں آئندہ سماعت ۲۰ فروری کو مقرر کی گئی ہے اس پٹیشن کی پیروی مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسٹر پیرزادہ سپریم کورٹ میں ایک اور درخواست داخل کرنے والے ہیں جس میں باقاعدہ گذارش کی جائے گی کہ مسٹر بھٹو کی نظر ثانی کی اپیل کی سماعت کرنے والی بنچ میں جسٹس قیصر خان اور جسٹس وحید الدین کو بھی شامل کیا جائے۔

جہاں تک سفارتی کوششوں کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں پی پی کے رہنماؤں کا ایک گروپ اب تک پاکستان میں مختلف ممالک کے سفیروں سے ملاقات کر چکا ہے جن میں سعودی عرب کے سفیر بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان رہنماؤں کا ابوظہبی کے حکمران شیخ زید بن سلطان النہیان سے بھی رابطہ ہے۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ زید بن سلطان سنجیدگی سے بھٹو کی جان بچانا چاہتے ہیں۔ معتبر ذرائع کے مطابق وہ اس سلسلے میں جنرل ضیا سے کئی ملاقاتیں کر چکے ہیں مگر ان سے اس سلسلے میں اب تک جو بات چیت ہوئی ہے اس سے وہ مطمئن نہیں اور باخبر ذرائع کے مطابق آخر کار وہ ناخوش واپس وطن چلے گئے ہیں۔

دریں اثنا پی پی کے کچھ اور رہنماؤں کی طرف سے حکومت اور بھٹو کے درمیان مفاہمت کی کوششیں بھی شروع ہو گئیں ہیں، ان میں سے ایک کوشش تو پی پی کے سابق سکریٹری جنرل ڈاکٹر مبشر حسن کی طرف سے کی جا رہی ہے کیونکہ بھٹو کو پھانسی ہونے کی صورت میں ملک میں عدم استحکام کی گمبھیر صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ دوسری کوششیں پی پی رہنماؤں کے ایک اور گروپ کی طرف سے بھی شروع کی جا رہی ہیں۔ جن میں میر افضل خان، مخدوم حامد رضا گیلانی اور غلام مصطفےٰ جتوئی قابل ذکر ہیں۔ یہ گروپ شروع سے حکومت کے ساتھ پی پی کی کسی نہ کسی شکل میں مفاہمت کے حق میں تھا۔ مگر بعد میں پارٹی کے اندر اس قسم کی سوچ کی زبردست مخالفت کے بعد یہ لوگ خاموش ہو گئے تھے۔ مگر نئی صورت حال میں یہ لوگ پھر سرگرم ہو گئے ہیں۔ اس گروپ کے قریبی ذرائع کے مطابق یہ گروپ فی الحال پی پی رہنماؤں کے ایک اور گروپ کی قانونی جنگ کو دلچسپی سے دیکھ رہا ہے اور اس کو یقین ہے کہ یہ لوگ کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور پھر سارے "کارڈز" ان کے ہی ہاتھ میں ہوں گے۔ یہ دونوں گروپ اس بات پر تیار ہیں کہ بھٹو کی جان بچانے کے لئے بھٹو کو اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں کچھ یقین دہانیاں بھی دینی چاہئیں جن میں ملک بدری اور آئندہ سیاست میں حصہ نہ لینا بھی شامل ہے۔ بہرحال اب تک اس قسم کے کوئی اشارے نہیں ملے کہ ان کوششوں کے بارے میں حکومت اور خاص طور پر جنرل محمد ضیاء الحق کا ردِ عمل کیا ہے۔ دوسری طرف اس سلسلے میں حال ہی میں یہاں ہماری بات ایک انتہائی اہم شخصیت سے ہوئی تو انہوں نے انتہائی معنی خیز انداز میں اور اعتماد کے ساتھ کہا کہ آخر حکومت کے بھی ایسے بہی خواہ ہوں گے جو حکومت کو بھٹو سے مفاہمت کا مشورہ دیتے ہوں گے، کیونکہ یہ بات یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ بھٹو کی پھانسی کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

ان سب کوششوں کے باوجود بھٹو کی جان بچانے کے لئے اندرونِ ملک دباؤ نہ پڑنے کی وجہ سے جماعتی حلقے بغلیں بجا رہے ہیں کہ بھٹو کو پھانسی کی سزا سنائے جانے کے بعد ملک کے اندر کچھ نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگ کس نہج پر سوچ رہے ہیں●

ایک قبر دو آدمی

ہفت روزہ ٹائم ۱۹ فروری ۷۹ء

پچھلے سال مئی سے پاکستان کے سپریم کورٹ کے ۷ جج متفکرانہ صبر کے ساتھ بنیادی طور پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی اپنی سزائے موت کے خلاف اپیل کی سماعت میں مصروف رہے ہیں پچھلے ہفتے ۴-۳ کی تنگ اکثریت کے فیصلے سے جج صاحبان نے ۱۹۷۴ء میں دہشت ناک فیڈرل سکیورٹی فورس کے ذریعے ایک سیاسی دشمن کو قتل کرنے کا حکم دینے پر لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سابق وزیراعظم کو دی جانے والی سزائے موت کی توثیق کردی۔

ججوں کے درمیان بنیادی طور پر اختلاف رائے، ختم شدہ ایف ایس ایف کے سابق سربراہ، جو سلطانی گواہ بن گئے تھے، مسعود محمود کے قابلِ اعتبار ہونے اور محرکات پر ہوا۔ مگر عدالت ان خطوط پر بھی منقسم ہوئی جو علاقائی رقابتوں کے شکار ملک کے لئے بدشگون ہوسکتے ہیں۔ اختلاف کرنے والے ۳ جج جنہوں نے بھٹو کو آزاد کرنے کے حق میں ووٹ دیا وہ ان کے آبائی صوبے سندھ اور گڑبڑ کے شکار افغانستان اور ایران کی سرحد پر واقع دو صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ۴ جج جو اکثریت میں ہیں ان کا تعلق پنجاب سے ہے۔ جہاں بھٹو کی مطلق العنانہ حکومت کے خلاف متوسط طبقے کی برہمی سب سے زیادہ شدید تھی۔

سپریم کورٹ کے فیصلے سے پہلے جیل سے اسمگل کئے جانے والے بھٹو کے ایک پیغام میں تنبیہہ کی گئی تھی کہ "میرے بیٹے، میرے بیٹے تہیں ہوں گے اگر وہ ان لوگوں کا خون نہیں پئیں گے جو میرا خون بہائیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کے خلاف عوامی ردِ عمل کو گونگا بنا دیا گیا تھا، اور اس کے اس وقت تک یونہی رہنے کے امکانات ہیں۔ جب تک کہ بھٹو کے ضلعی رہنما اور پارٹی کے عہدیدار زیرِ حراست رہتے ہیں اور انہیں مظاہروں کا بندوبست کرنے سے روکا ہوا ہے۔ صدر کارٹر، برطانوی وزیراعظم جیمس کالیہان، سوویت صدر لیونڈ بریژنیف اور پوپ جان پال دوم کی طرف سے سزا میں تخفیف کی اپیلیں آئیں۔ دوسرے اپیل کنندہ ترکی کے وزیراعظم بلند اجیوت تھے، ترکی وہ تنہا ملک ہے جس نے دورِ جدید میں خود اپنے وزیراعظم کو عدالتی کارروائی کے ذریعے پھانسی دی تھی۔ اجیوت نے پیش کش کی کہ اگر بھٹو کی جان بخش دی جائے تو وہ انہیں سیاسی پناہ دے دیں گے۔

گو کہ اکثر غیر ملکی اپیلیں انسانیت دوستی کی اصطلاحوں کے غلاف میں لپیٹی ہوئی ہیں لیکن ان کی محرک پاکستان کی سالمیت کے بارے میں فکرمندی معلوم ہوتی ہے۔ ۳۲ سال سے جب کہ برطانوی ہند سے یہ مسلم ملک "پاک لوگوں کی سرزمین" تراشا گیا تھا۔ پاکستان میں ۳ آئین بنائے گئے اور ۳ فوجی بغاوتوں کا صدمہ اٹھایا۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں چیف آف آرمی اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کرلیا تھا۔ جب کہ اس سے پہلے متاثرہ ملاؤں اور متوسط طبقے کے اراکین بھٹو کی سیاسی بدعنوانیوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے ضیاء نے سیاست کو پاک کرنے اور اسلامی خطوط پر قوم کے فوجداری اور مالیاتی قوانین کی تشکیلِ نو کے لئے احتیاط کے ساتھ پیش قدمی کی۔

بھٹو کے پھانسی چڑھنے سے قبل ان کے وکلاء سپریم کورٹ سے ممکنہ قانونی غلطیوں کی بنیاد پر مقدمے پر نظرِ ثانی کی درخواست کرسکتے ہیں۔ سابق وزیراعظم کا خاندان ضیاء سے انتظامی معافی کی درخواست بھی کرسکتا ہے جب ضیاء آخری فیصلہ کریں گے کہ آیا اسلامی انصاف کے سخت قوانین کا اطلاق کریں یا نہ کریں اور "الو کے پٹھے کو پھانسی دینے" کی دھمکی پر عمل کریں تو اس وقت امکان ہے کہ غیر ملکی رائے کے مقابلے میں داخلی سیاسی تحفظات زیادہ وزن دار ہوں گے۔

سیاسی ظریفوں نے پھانسی کے بارے میں ایک جامع لطیفہ ایجاد کیا ہے۔ ایک قبر دو آدمی۔ پاکستان میں کوئی شخص اس کے ترجمے کا محتاج نہیں ہے۔ بھٹو کو پھانسی دے کر ضیاء خود اپنی سیاسی قبر کھود سکتے ہیں۔ ملک کے اکثر جھگڑالو سیاستدان یہ چاہتے ہیں کہ بھٹو کو روانہ کرنے کا بار ضیاء برداشت کریں جو ایک ایسا اقدام ہوگا جس سے اس سال کے آخر میں ہونے والے انتخابات پر صدر کے اثرانداز ہونے کے مواقع کو شدید نقصان پہنچے گا۔ دوہرے جنازے کے خواہش مند کئی ایسے جنرل ہیں جو بھٹو کو ناپسند کرتے ہیں اور ضیاء کو دوبارہ موقع نہیں دیں گے۔ اگر سویلین ایک بار پھر پاکستان کو پائیدار اور جائز حکومت فراہم نہ کرسکیں۔

رحم کی اپیل پر جاں بخشی ممکن نہیں

ایشیا ویک - ۱۶ فروری ۱۹۷۹ء

چند ہفتے قبل جب جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے پاکستان کے سزا یافتہ وزیراعظم ذوالفقار بھٹو کے سینکڑوں حامیوں کو گرفتار کرنا شروع کیا تو کئی دیکھنے والوں کو شک ہو گیا کہ کچھ ہونے والا ہے پھر گزشتہ ہفتے کثیرالاشاعت اردو روزنامہ جنگ نے اطلاع دی کہ بھٹو کے وکیلِ صفائی، یحییٰ بختیار کو سپریم کورٹ نے راولپنڈی طلب کیا ہے تو فوری قیاس آرائیاں پھیلیں کہ قوم کا اعلیٰ ترین قانونی ادارہ سزائے موت کے خلاف معزول وزیراعظم کی اپیل پر فیصلہ، جس کا طویل عرصے سے انتظار کیا جا رہا تھا، دینے ہی والا ہے۔ اگلے چند ہی دن میں اس افواہ کی تصدیق ہو گئی جب کہ اسلام آباد نے تمام سرکاری ملازمین کی چھٹیاں منسوخ کردیں۔ پولیس اور سیکیورٹی کے محفوظ دستوں کو طلب کرلیا اور ملک کے ہر ایک تعلیمی ادارے کو بند کردیا۔ ۶ فروری کو دوپہر سے کچھ ہی پہلے فیصلہ آ گیا۔ پاکستان کے سپریم کورٹ نے ۴-۳ ووٹ سے ۱۴۹۵ صفحات پر مشتمل فیصلے میں طے کیا کہ ۵۱ سالہ بھٹو کو ۴ سال قبل ایک سیاسی قتل کا حکم دینے کی بنا پر پھانسی دی جائے۔

فیصلے کے فوری بعد بیگم نصرت بھٹو، قریب ہی اسلام آباد میں اپنے گھر میں نظر بندی کو توڑ کر باہر نکل آئیں اور پولیس کے انہیں دوبارہ پکڑ کر گھر پہنچانے سے قبل راولپنڈی کوٹھری میں اپنے شوہر سے ۱۵ منٹ تک ملاقات کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ لندن میں ان کے ۱۹ سالہ بیٹے

شاہ نواز بھٹو نے اپنے خاندان کا یہ فیصلہ دہرایا کہ صدر ضیا سے رحم کی درخواست نہ کی جاتے۔ بھٹو کے نونہال نے تنبیہہ کی کہ "اگر جنرل ضیا پھانسی دیتے ہیں تو انہیں بہت پچھتانا پڑے گا کیونکہ پھر ہمیں جوابی کارروائی کرنی پڑے گی اور یہ پاکستان کے لئے انتہائی المناک صورتِ حال ہوگی، ایک خونریز خانہ جنگی ہو گی۔"

اس وقت پاکستان پرسکون رہا۔ فیصلے کے آدھے گھنٹے بعد ایشیا ویک کے آصف شمیم نے کراچی سے تار بھیجا کہ اخبارات کا پہلا خصوصی ضمیمہ اس وقت سڑکوں پر آگیا جب کہ دفتروں میں کام کرنے والے دوپہر کے کھانے کے وقفے پر جا رہے تھے۔ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے روزنامے "مساوات" نے سیاہ زمین پر بھٹو کی ایک بڑی تصویر شائع کی اس کی سرخی تھی "اپیل مسترد ہو گئی۔ فیصلہ متفقہ نہیں ہے"۔ دائیں بازو پاکستان قومی اتحاد کے حامی "جسارت" نے بھٹو کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا اور اپنی خبر پر یہ سرخی لگائی "قاتل بھٹو کو پھانسی دی جائے گی"۔ مضمون میں کہا گیا کہ "بھٹو کو پھانسی پر عوام مسرور تھے"۔

ملک کی بڑی سیاسی پارٹیوں کی طرف سے فوری ردِ عمل تو نہ تھا مگر ان کے رہنما ممکنہ اقدامات پر غور کرنے کے لئے اکٹھے ہوتے۔ اس بات کا امکان ہے کہ پی این اے سے علیحدگی اختیار کرنے والا ایک گروہ اختتام ہفتہ سے قبل ضیا سے بھٹو کی جاں بخشی کے لئے کہے گا۔ قدامت پسند جماعت اسلامی نے اپنی حد تک کہا کہ جماعت کے کارکن شیرینی تقسیم کر رہے تھے اور حالات کے اس طرح پلٹنے پر نمازِ شکرانہ ادا کر رہے تھے مگر پی پی پی سے تعلق رکھنے والوں نے ساری ساری رات قرآن خوانی کا انتظام کیا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ ان کے رہنما کی حفاظت کرے پارٹی کے ایک ترجمان نے نامہ نگار شمیم کو بتایا کہ سزا یافتہ شخص سے فیصلے سے پہلے ملاقات کرنے والے آخری شخص ان کے چچا نواب نبی بخش بھٹو تھے۔ ملاقاتی نے بتایا کہ قیدی "مطمئن، پرسکون اور پر اعتماد تھے" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوتِ ارادی نے انہیں فولادی شخص بنا دیا ہے۔"

اب کیا ہوگا؟ پاکستانی قوانین کے تحت رحم کی درخواست کرنے کے لئے بھٹو کے پاس ایک ہفتہ ہوگا۔ اس کے بعد انہیں تیار ہونے کے لئے ۳ دن کا وقت دیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی بھی وقت پھانسی دی جاسکتی۔ بھٹو کے بظاہر نہ جھکنے کے عزم کی وجہ سے مبصرین یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے کسی اپیل پر جاں بخشی ممکن نہیں ہوگی۔

اس اندازے کو دو عناصر سے تقویت ملتی ہے۔ ضیا نے اپنے ۱۸ ماہ کے دورِ اقتدار میں کوئی انتظامی معافی نہیں دی ہے اور اطلاعات کے مطابق انہوں نے نجی محفل میں کہا ہے کہ اگر بھٹو کی سزائے موت کی تصدیق ہو جاتی ہے تو وہ "اس حرامی کو پھانسی چڑھائیں گے"۔

اب بھی ضیا کو بین الاقوامی رائے اور بھٹو کو پھانسی دینے کی صورت میں ملک کے اندر نتائج کا سامنا ہے۔ پہلے ہی ایمنسٹی انٹرنیشنل اور انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس اور ساتھ ہی ساتھ آسٹریلیا، سویڈن، ترکی، فرانس اور یونان کی حکومتوں کی طرف سے ان پر زور دیا گیا ہے کہ وہ رحم کریں۔ اور اپیلوں کا آنا یقینی ہے۔ اور دیکھنے والے یہ دیکھنے کے منتظر ہیں کہ بااثر اسلامی ریاستوں کی طرف سے بھٹو کو بچانے کی کسی تحریک پر ضیا کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے، ملک کے اندر فیصلے کی قریبی نوعیت اور یہ حقیقت کہ سابق وزیر اعظم کو سزا دینے والے چاروں جج پنجابی ہیں (جیسے کہ خود ضیا ہیں) ان دونوں نے کافی بڑا تنازعہ کھڑا کر دیا ہے اسلام آباد میں ایک سفارت کار کا کہنا ہے کہ "اختلاف کرنے والے ۳ جج روشن خیال ہیں اور ان کا تعلق مختلف صوبوں سے ہے، ضیا بھٹو کو معاف کرنے سے کم جو کوئی بھی فیصلہ کرتے ہیں، اس پر سیاسی جوڑ توڑ کا الزام لگ سکتا ہے۔

★

بھٹو کے خلاف تحریکِ طلبا کا بیان صیہونی سازش کی ایک کڑی

پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک ترجمان نے تحریکِ طلبہ مغربی جرمنی کے اس بیان کو جو پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا اور جس میں اسلامی کانفرنس اور پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں رحم کی اپیلوں کو "صیہونی سازش کا حصہ قرار دیا گیا ہے" شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔

ترجمان نے کہا کہ اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ اور گھناؤنے الزامات سے ملک کا وقار بری طرح مجروح ہوا ہے۔ اسے تحریکِ طلبہ کا نرا پاگل پن ہی قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس نے الزام تراشی میں پوری مسلم دنیا کو شامل کر لیا جن کا کردار واضح طور پر صیہونیت دشمن ہے۔ یہ مسلم ممالک کی سخت توہین ہے جنہوں نے جناب بھٹو کے لئے رحم کی اپیل کی ہے اس سے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کے مخالفوں کا سفلہ پن اور گہرا اعتماد ظاہر ہوتا ہے۔ درحقیقت اس قسم کے وحشی الزامات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور پاکستان کے دشمن جناب بھٹو کی مسلم کاز اور پاکستان کے محروم طبقات کی خدمت کرنے کی صلاحیتوں سے بری طرح خوفزدہ ہیں۔

تحریکِ طلبہ جیسی صیہونی نواز ایجنسیوں نے جذبات کے اندھے پن میں مبتلا ہو کر مسلم ممالک اور پاکستان کے کروڑوں شہریوں، جس میں بار ایسوسی ایشنیں، ممتاز ادیب دانشور، صحافی اور دیگر طبقات کے لوگ شامل ہیں، کی جانب سے رحم کی اپیلوں کو "صیہونی سازش کا حصہ" قرار دے کر خبط الحواسی اور پاگل پن کا ثبوت دیا ہے۔ اس قسم کی گھناؤنی مہم کی ان لوگوں کی جانب سے پُر زور مذمت کی جانی چاہیئے جو پاکستان کی فلاح و بہبود اور مسلم ممالک سے گہرے برادرانہ تعلقات قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ ۱۹۷۱ء کے تاریک ایام میں ان عناصر نے پاکستان کے دوستوں کو بھی ہدفِ تنقید بنایا تھا جنہوں نے بنگال کے متعلق یحییٰ خان کی پالیسیوں کو تباہ کن اور خطرناک قرار دیا تھا، جو لوگ تاریخ کے تلخ سبق کو نظر انداز کر کے دوبارہ غلطی دہراتے ہیں۔ انہیں تاریخ معاف نہیں کرتی۔

برادر مسلم ممالک اور پاکستان کے مفاد میں یہ امید کی جاسکتی ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد روک دیا جائے گا۔

کرے گی کہ آیا اس کی سماعت کی جائے یا نہیں۔

۵۱ سالہ بھٹو جواب راولپنڈی سنٹرل جیل میں ہیں، فوج نے ۵، جولائی ۱۹۷۷ء کو ان کا تختہ الٹا تھا اور اسی سال ستمبر سے وہ قید میں ہیں۔

کاسٹنگ ووٹ

اے ایف پی مزید کہتا ہے کہ آج چیف جسٹس انوار الحق کے کاسٹنگ ووٹ نے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کر دی ہے اس مقدمے کے اختتام پر جو اس ملک کی قانونی تاریخ کا سب سے زیادہ غیر معمولی مقدمہ تھا۔

۶ ماہ سے زیادہ عرصے کے غور و خوض کے بعد سپریم کورٹ معنوی اعتبار سے بیچ سے تقسیم ہو گیا ہے۔ ۳ ججوں کی نظر میں مسٹر بھٹو بے گناہ ہیں۔

لیکن دوسرے ۴ ججوں نے انہیں ایک سیاسی حریف مسٹر احمد رضا قصوری جن کے والد درحقیقت ہلاک ہوئے، کے قتل کی سازش کا مجرم پایا۔

عدالت کے ذرائع نے رائٹر کو بتایا تھا جج ۵-۲ میں تقسیم تھے۔

قانون کے ماہرین کا کہنا ہے کہ شاید درخواست میں فیصلے کی بہ نسبت عدالتی طریقہ کار کو چیلنج کیا جائے گا۔

پچھلے سال مارچ میں سنائی جانے والی سزا کی توثیق کے فوری بعد مسٹر بھٹو کی بیوی بیگم نصرت اسلام آباد میں گھر میں نظر بندی توڑ کر نکل آئیں اور کار میں اپنے شوہر سے ملنے روانہ ہو گئیں مسلح پولیس نے ان کی گاڑی کا پیچھا کیا لیکن وہ جیل پہنچ گئیں اور اپنے شوہر سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

سپریم کورٹ نے حکم جاری کیا کہ مسٹر بھٹو کو مزید ۷ دن تک جیل میں رکھا جس سے ان کے وکیلوں کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ ان سے مشورہ کر سکیں۔

مسٹر بھٹو رحم کی درخواست کر سکتے ہیں لیکن مبصر یہ بات دھراتے ہیں کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ وہ "رحم نہیں انصاف" چاہتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے خاندان کو اپیل کرنے سے منع کر دیا ہے۔

وہ اس بات کو بھی نوٹ کرتے ہیں فیصلہ بہ آسانی دوسرا رخ اختیار کر سکتا تھا۔

۹ ججوں میں سے جن پر سپریم کورٹ کی بنچ مشتمل تھی، ایک مقدمے کی کارروائی کے دوران ریٹائر ہونا پڑا کیونکہ وہ ایک کے لئے متعینہ عمر کی حد کو پہنچ گئے تھے اور دوسرے ایک جج فیصلے سے ۲ مہینے پہلے علیل ہو گئے تھے۔

عام طور پر اچھی طرح باخبر ذرائع میں سے ایک کے مطابق چیف جسٹس انوار الحق نے آخری لمحے تک اپنے اختلاف کرنے والے ساتھیوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی انتھک کوشش کی۔

مسٹر بھٹو کو سزائے موت پچھلے سال مارچ میں لاہور ہائی کورٹ نے دی تھی۔

قاتلانہ حملہ لاہور میں ہوا تھا۔

نصرت بھٹو کا بیان

لندن سے ایک رپورٹ مزید بتاتی ہے کہ اتوار کی رات کو یہاں ایک ٹیلیویژن انٹرویو میں بیگم نصرت بھٹو نے کہا" آج سپریم کورٹ کو سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کے الزام سے بری کر دینا چاہیئے"۔

راولپنڈی سے جہاں وہ گھر میں نظر بند ہیں۔ انٹرویو میں بیگم بھٹو نے کہا" اگر وہ (پاکستانی لیڈر جنرل ضیاء الحق) مسٹر بھٹو کی زندگی چھینتے ہیں تو ان کی گردن پھنسے گی"۔

بیگم بھٹو نے گزشتہ شب اعلان کیا کہ" اگر وہ لوگ انہیں پھانسی چڑھا بھی دیتے ہیں تو وہ تاریخ میں ایک عظیم انسان کی حیثیت سے زندہ رہیں گے"۔

رحم کی کوئی درخواست نہ ہوگی

لندن میں مسٹر بھٹو کے ایک بیٹے نے کہا ان کے والد کیلئے جنکی سزائے موت کی آج توثیق ہوئی ان کا خاندان رحم کی درخواست نہیں کرے گا۔

"جہاں تک خاندان کا تعلق رحم کی کوئی درخواست نہیں ہو گی۔ ہم ان کی خواہش کا احترام کریں گے" ۱۹ سالہ شاہنواز بھٹو نے رائٹر کو بتایا:-

اطلاعات کے مطابق بھٹو نے کہا ہے کہ وہ رحم کے لئے درخواست نہیں کریں گے اور اپنے خاندان کو حکم دے رہے ہیں کہ ان کی جانب سے کوئی درخواست نہ کرے۔

شاہنواز بھٹو، جو ایک طالب ہیں، کہا کہ وہ کم از کم اس وقت تک کسی مظاہرے کا منصوبہ نہیں بنا رہے ہیں جب تک کہ سزا پر عمل نہ ہو یا اس میں تخفیف ہو جائے۔

انہوں نے کہا" ہمیں انتظار کرنا اور دیکھنا ہے کہ ضیاء (پاکستانی صدر ضیاء الحق) اپنی دھمکی پر عمل کرتے ہیں"۔

بھٹو پاکستان کا اکلوتا مدبر

ڈیلی ٹیلیگراف لندن کا اداریہ، فروری ۷۹ء

مبصرین کی رپورٹوں سے یہ تاثر مرتب ہوتا ہے کہ وہ تمام عرصہ "بھٹو کو گھیرنے" پر تلے رہے ہیں۔ ایسا ہے یا نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک انتہائی غیر منصفانہ تاثر ہو، ایک لرزا دینے والی یہ ٹھوس حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ان کے ۱۹۷۷ء میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد سے رحم کی جو ۹۰ درخواستیں ان کے سامنے پیش ہوئی ہیں۔ ان میں سے انہوں نے ایک بھی درخواست منظور نہیں کی۔

لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمے کی سماعت کے دوران ہونے والی خامیاں، دستاویزات میں بخوبی محفوظ ہیں۔ ان میں سے ۲ بنیادی خامیاں یہ

اس بات کی کئی وجوہات ہیں کہ پاکستان کے سربراہ مملکت جنرل ضیا بھٹو کے بارے میں اپنے معافی کے خصوصی اختیار کو کیوں استعمال کریں۔ ان میں سے چند وجوہات میں سے چند لاہور کورٹ میں مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمے کی کارروائی میں طریقہ کار، جس کی وافر شہادتیں موجود ہیں، کی غیر اطمینان بخش نوعیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ دوسری وسیع تر غور و خوض سے پیدا ہوتی ہیں۔ آیا جنرل ضیا ان میں سے کسی ایک کی پرواہ کریں گے، لازماً ایک مشتبہ معلوم ہوگی۔ لاہور میں مقدمے کی کارروائی کے ۱۴ ماہ اپیل کی سماعت سے ۷ ماہ کے دوران

ہیں۔ استغاثے کا مقدمہ کھلی عدالت میں سنا گیا جب کہ مسٹر بھٹو کے بیان صفائی کی سماعت عدالت نے بند کمرے میں کی۔ اور استغاثے کی بیشتر شہادت سرسری نوعیت کی تھی اس کے بعض اہم حصوں کو صفائی کی شہادت سے غلط ثابت کیا گیا۔ لیکن اسے نظر انداز کر دیا گیا۔

راولپنڈی میں اپیل کی لامتناہی نظر آنے والی اپیل کی سماعت کے بارے میں عمومی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ منصفانہ ہوتی ہے۔ لیکن اس سے دوسری پریشان کن بنیادیں ابھرتی ہیں۔ ۴ جج جنہوں نے اپیل مسترد کی ہے۔ ان ۳ ججوں کے برعکس جو اسے منظور کر لیتے۔ ان سب کا تعلق پنجاب سے ہے۔ جو پاکستانی فوج کی گھریلو بنیاد ہے۔ سماعت کے دوران حکومت نے ۳ طویل "قرطاس ابیض" شائع کئے، ان تمام کا مقصد بھٹو کی شہرت کو داغدار کرنا تھا۔ اس سے بھی زیادہ وسیع مقاصد ہیں۔ ایسے متزلزل پس منظر میں جنرل ضیا کو چاہیئے کہ بہت زیادہ اور مخلصانہ غور کریں کہ آیا یہ صرف انصاف ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے بھی مفاد میں ہو گا کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے۔ ان کی تمام غلطیوں کے باوجود تقریباً وہ ایک مدبر ہیں جو پاکستان پیدا کر سکا ہے۔ *

بھٹو کے بعد ہو سکتا ہے کہ... بانس رہے نہ بانسری

ڈیلی ٹیلیگراف بروس لوٹن، فروری ۱۹۷۹ء

قتل کی سازش کی بنا پر مجرم قرار دیئے جانے اور سزائے موت کے خلاف مسٹر بھٹو کی اپیل کا سپریم کورٹ کی طرف سے مسترد کیا جانا بلکہ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے پاکستان کی ۳۲ سالہ تاریخ، جو ہمیشہ عذاب میں مبتلا اور اکثر المناک رہی ہے کا ایک انتہائی ڈرامائی واقعہ ہے۔

مناظر ایسے تھے جن کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، اکثر مبصرین کی نظر میں ان کی اہمیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ وہ مسٹر جناح کے بنائے ہوئے ملک پر انتہائی گہرے اثرات ڈالے گی۔

کارروائی شروع ہونے سے بہت پہلے سینکڑوں پولیس والوں اور فوجیوں نے راولپنڈی چھاؤنی میں واقع سپریم کورٹ کی عمارت کی ناکہ بندی کر دی تھی۔

آس پاس کی عمارتوں کی چھتوں پر بندوقچیوں نے مورچے سنبھال لیے تھے۔ آہنی گیٹ بند کر دیا گیا تھا اور صرف خصوصی اجازت نامہ دکھانے پر کھولا جاتا تھا۔

لکڑی کے تختے جڑی دیواروں والا چھوٹا سا کمرہ عدالت کارروائی شروع ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے ہی کھچا کھچ بھر گیا تھا۔

اکثریت وکیلوں، صحافیوں اور عدالتی عملے پر مشتمل تھی، لیکن سادہ لباس میں بے شمار پولیس اور انٹیلی جنس کے افسر بھی موجود تھے۔

سپریم کورٹ کے ۷ جج تاخیر سے آئے بسنتر شیروانیوں طرہ دار پگڑیوں میں۔ عدالت کے چپراسیوں نے معزز ججوں کو ان کی نشستوں پر بٹھانے میں مستعدی دکھائی اور سعادت مندی کے ساتھ منتظر کھڑے ہو گئے۔

سیاہ چغے پہنے ہوئے صفائی اور استغاثے کے وکلا قطار بنا کر آئے سابق وزیر اعظم کے سینیئر وکیل اور پرانے دوست مسٹر یحییٰ بختیار یوں لگ رہے تھے جیسے دنیا بھر کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہو۔ شاید انہیں علم تھا کہ کیا پیش آنے والا ہے۔

تماش بین کی دھمکی

عدالت کے اجلاس کرنے میں ۷ منٹ کی تاخیر کافی طویل محسوس ہوئی۔ تب اچانک عدالت کے پچھلے حصے سے جیلی وردی میں ملبوس ایک داڑھی والا سپاہی کھڑا ہوا۔

اس نے اردو میں چیخ کر کہا۔ "سنو میں کیا کہہ رہا ہوں"

تمام نگاہیں اس کی طرف پلٹ گئیں۔

"اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔ سیکیورٹی افسر اسے دھکیلتے ہوئے لے گئے۔

یہ آنے والے واقعات کا ایک نمونہ تھا۔

فوجی حکومت کے عمال کے اس فوری بیان کے باوجود بھی کہ وہ شخص درحقیقت چرائی ہوئی وردی میں مسٹر بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک کارکن تھا۔ ایسا ہو سکتا ہے۔

ججوں کی نشست کے پیچھے ایک دروازہ کھلا چپراسی مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور (آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ) چیف جسٹس آئے۔ ان کے پیچھے ان کے ساتھی ۶ جج تھے۔

فضا میں بجلی سی دوڑ گئی اور تمام نگاہیں چیف جسٹس کے گنجے ہوتے ہوئے سر پر مرکوز ہو گئیں۔

حیرت زدہ خاموشی

"انہوں نے پڑھنا شروع کیا"۔ فوجداری اپیل نمبر ۱ بابت ۱۹۷۸ء، ذوالفقار علی بھٹو بنام سرکار، کثرت رائے کے مطابق یہ اپیل مسترد کی جاتی ہے۔ اور مجرم قرار دینے اور سزاؤں کا جو حکم ہائی کورٹ نے دیا تھا بحال رکھا جاتا ہے اور اس کی توثیق کی جاتی ہے۔"

حیرت زدہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بھٹو کے حامی ناظرین میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ کیا کہا گیا تھا۔ ان کے محبوب رہنما جو صرف چند سال پہلے بین الاقوامی منظر پر درخشندہ سیاستدانوں میں سے ایک تھا، کے لئے پھانسی کا پھندہ۔

آنسو بہہ رہے تھے، مسٹر بختیار کھڑے ہوئے تھے اور سپریم کورٹ سے سپریم کورٹ کی کارروائی پر نظر ثانی کی آئینی درخواست کے فیصلے تک سزا پر عمل درآمد ملتوی کرنے کی درخواست کر رہے تھے۔

انہیں اندیشہ تھا کہ جیل حکام اپنے طور پر تقریباً فوری مسٹر بھٹو کو پھانسی چڑھا دیں گے۔

قلیل اکثریت سے اپنے فیصلے کو محل نظر بنا کر سخت ہو گئی تھی اور بہ ظاہر کسی ایسی بات کو قبول کرنے

موڈ میں نہیں معلوم ہوتی تھی جو مسٹر بھٹو کو پھانسی چڑھانے میں تاخیر کرے۔

"۷ دن وہ مدّت ہے جس کی قانون اجازت دیتا ہے اور یہ ۷ دن ہی رہیں گے۔" چیف جسٹس مسٹر بختیار سے یہ کہتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

پھانسی کو رد کرنے کا کوئی طریقہ تلاش کرنے کے لئے اپنی قانونی کتابوں کو الٹتے پلٹتے صفائی کے وکلاء تقریباً دیوانے لگ رہے تھے۔

دلائل نمایاں طور پر جاری رہے۔ مسٹر بھٹو اچانک "پھانسی کے منتظر سزا یافتہ" بن گئے۔ جب کہ پہلے عدالت میں جب بھی ان کا ذکر ہوتا تو تقریباً ہمیشہ "مسٹر بھٹو" کہا جاتا تھا۔

چیف جسٹس نے اچانک کارروائی ختم کر دی ناظرین قطار میں عدالت کے احاطے میں آگئے جو پولیس اور فوج سے اُبلا پڑ رہا تھا۔

عدالت سے واپسی میں سڑک پر میری کار سے چند فٹ کے فاصلے پر ٹوٹی اینٹوں کی ایک بوچھاڑ آئی جو شاید پولیس کے گشتی دستے پر پھینکی گئی تھی۔

"ایک قدرآور آدمی" میرے ڈرائیور نے صابرانہ انداز میں کہا۔ "مسٹر بھٹو تو تقریباً قبر میں ہیں۔ ان کے بعد ہو سکتا ہے کہ جنرل ضیاؔ ہوں یا ہو سکتا ہے کہ پاکستان ہو۔" ●

وہ بھٹو اور ان کے حامیوں سے خائف ہیں

ڈیلی ٹیلیگراف لندن ۸ فروری ۱۹۷۹ء

اس بات کی علامات موجود ہیں کہ پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاءالحق، مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی کسی بھی درخواست کو منظور نہیں کریں گے۔ یہ بات گذشتہ رات ایک وکیل نے بتائی؟ جو سزا یافتہ سابق وزیر اعظم کے لئے کام کر رہا ہے، اُس نے کہا "حالات مخدوش نظر آ رہے ہیں۔ ہم لوگ اپنی استطاعت بھر کوشش کریں گے۔ درحقیقت محسوس یہی ہوتا ہے کہ امید بہت کم ہے۔ آپ آئندہ ہفتے یا اس سے اگلے ہفتے پھانسی دیئے جانے کی توقع کر سکتے ہیں۔"

گذشتہ شب پاکستانی حکام نے ان اپیلوں کے بارے میں اعلانیہ حقارت اور ذلت آمیز رویّہ کا اظہار کیا، جو مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے بیرونِ ملک سے کی گئی ہیں اور جن میں مسٹر کالیہان اور صدر کارٹر کی اپیلیں بھی شامل ہیں۔ ایک سینیئر افسر نے متکبرانہ انداز میں کہا۔ "یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے، غیر ممالک سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے نزدیک ان اپیلوں کی صرف اتنی وقعت ہے کہ یہ ہمارے صدر کے نام ذاتی مراسلے ہیں۔" اور جنرل ضیاؔ نے برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کے نام ایک پیغام میں کہا ہے کہ "ہر چیز ٹھیک ٹھاک ہے اور ہم اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے جا رہے ہیں۔"

ایک انٹرویو میں جنرل ضیاؔ نے اس بات کی تردید کی کہ سپریم کورٹ نے بھٹو کے بارے میں ۴ اور ۳ سے جو فیصلہ دیا ہے وہ واضح فیصلہ نہیں تھا۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ تکنیکی اعتبار سے سپریم کورٹ کے ۵۰۔۵۰ کے فیصلے سے بھی نچلی عدالت کا فیصلہ برقرار رہتا ہے۔

جنرل ضیاؔ نے اصرار کیا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے میں ججوں کے اختلاف رائے سے عدلیہ کی آزادی کا اظہار ہوتا ہے۔

پاکستان کے فوجی حکمران، جنہوں نے ۱۹۷۷ء میں مسٹر بھٹو کے خلاف بغاوت کی قیادت کی، راولپنڈی میں انڈیپنڈنٹ ٹیلی ویژن کے نمائندے سینڈی گال کو انٹرویو دے رہے تھے۔ انہوں نے نہایت اعتماد سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ میں نے اس ملک کو کچھ بھی نہ دیا ہو لیکن میں نے انہیں

ایک چیز ضرور دی ہے۔ میں نے انہیں قانون کی حکمرانی دی ہے۔"

بیشتر آزاد خیال مبصرین کو یقین ہے کہ اگر جنرل ضیاؔ نے بھٹو کے معاملے میں "نرمی" برتی تو ہو سکتا ہے کہ انہیں معزول کر کے کوئی اور فوجی حکمران بن جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی نسبت اس معاملے میں ان کے ماتحت جنرلوں کا رویّہ زیادہ سخت ہے۔

مسٹر بھٹو جیل میں بند ہونے کے باوجود فوجی حکمرانوں کے لئے مسلسل پریشانی کا باعث بنے ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ (فوجی حکمران) اس بات کو تسلیم نہیں کرتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھٹو اور ملک میں موجود ان کے حامیوں سے خائف ہیں۔

ان کے ہزاروں حامی اور ان کی پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کرنے والی تنظیموں کے سرگرم رہنما اور کارکن جیلوں میں بند یا گھروں میں نظر بند کر دیئے گئے ہیں، اور پاکستان کے سزا یافتہ سابق لیڈر، جس نے اپنے مخالف کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور قاتلانہ حملے کے دوران مخالف کا باپ ہلاک ہو گیا، سے ذرا سی ہمدردی رکھنے والوں کو دبانے کے لئے فوج مامور کر دی گئی ہے۔

گذشتہ شب مسٹر بھٹو کے وکیل نے بتایا کہ "وہ (بھٹو) محسوس کرتے ہیں کہ تاریخ میں ان کا مقام ہے اور وہ جان بخشی کے لئے جنرل ضیاؔ سے اپیل نہیں کریں گے۔"

بتایا جاتا ہے کہ موت کی کوٹھری میں مسٹر بھٹو "گڈ اسپرٹ" میں ہیں۔ کل ایک وکیل نے کہا۔ "یہ بات حد درجہ حیران کن ہے کہ ہم مایوسی کے عالم میں ان (مسٹر بھٹو) کے پاس جاتے ہیں لیکن واپسی میں اپنے آپ کو بہتر محسوس کرتے ہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی جرأت سے ہمیں تقویت ملتی ہے۔" ●

بھٹو کے دور میں کسی کو پھانسی نہیں ہوئی

جنرل ضیا الحق پیروی کرتے نظر نہیں آتے!

—— ڈیلی ٹیلی گراف، فروری ۹ء ——

راولپنڈی میں موت کی کوٹھری میں مقید مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مراکش کے عشرت کدے میں مقیم اور حالات کے سازگار ہونے کے منتظر پاکستان کے ہمسایہ ملک کے سابق شاہ میں کئی اعتبار سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں ہی "اسلامی بغاوت" کا نشانہ بنے:

دونوں جدیدیت پسند اور آزاد خیال تھے۔ جنہوں نے اپنے اپنے ملک کی ترقی کی راہ میں حائل سماجی اور اقتصادی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ دونوں پر بدعنوانیوں اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے جبر و تشدد کے استعمال اور مغرب زدگی کے الزامات لگائے گئے۔

۱۹۷۷ء کے انتخابات (جہاں سے مسٹر بھٹو کا زوال شروع ہوتا ہے) کے دوران مسٹر بھٹو کے مخالفین نے ان کے SAVILE ROW ایمیج، لباس اور بود و باش کو کڑی تنقید کا ہدف بنایا اور الزام لگایا کہ ان کا ذہنی رجحان عوام کی اسلامی ثقافت کا مخالف ہے۔

لیکن شاہ کے برعکس بھٹو کو فوج کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ ان کی حکومت کا تختہ ایک ایسے راسخ العقیدہ مسلمان جنرل ضیاء الحق نے الٹا جو خود کو خدا کا منتخب کردہ سمجھتے ہیں۔ جنہیں پاکستان سے برائی کے خاتمے اور اسلام کے نفاذ کے لئے بھیجا گیا ہے۔

جنگجو آباؤ اجداد

بھٹو کا تعلق سندھ کے ایسے دولت مند اور اشرافیہ خاندان سے ہے جس کا سلسلۂ نسب چار صدیوں کے بعد ہندوستان کی جنگجو ذات راجپوتوں سے جا ملتا ہے۔ بھٹو کے والد محترم سر شاہ نواز بھٹو برطانوی راج کے ممتاز سیاست دان تھے۔ انگریزوں سے ان کے دوستانہ اور قریبی تعلقات تھے۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے ذوالفقار علی بھٹو نے ایسے ماحول میں پرورش پائی، جہاں مغربی افکار رجحانات اور اقدار کو توقیر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

بمبئی میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھٹو کیلیفورنیا چلے گئے۔ جہاں انہوں نے پولیٹیکل سائنس میں ڈگری لی اور سیاست کا کچھ عملی تجربہ اس طرح حاصل کیا کہ امریکی سینیٹ کی انتخابی مہم میں ڈیموکریٹک پارٹی کے لئے کام کیا جس میں رچرڈ نکسن سینیٹر منتخب ہوتے۔

ان کی تعلیم کرائسٹ چرچ، آکسفورڈ اور لنکن ان میں بھی جاری رہی۔ جہاں سے انہوں نے بار ایٹ لا کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد وہ ساؤتھمپٹن یونیورسٹی میں بین الاقوامی قانون کے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ لیکن درس و تدریس کا یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا، وہ ۱۹۵۳ء میں پاکستان واپس آ گئے۔ اور وکالت شروع کر دی۔

۱۹۵۸ء میں ایوب خان نے انہیں وزیر تجارت مقرر کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی اور وہ پاکستان کی تاریخ کے سب سے کم عمر وزیر تھے۔

بھٹو کے پس منظر، اس کی عمدہ اور خوبصورت انگریزی اور امور خارجہ میں مہارت کے پیش نظر ایوب خان ان سے دفتر خارجہ کے معاملات میں مشورہ لینے لگے۔ اور جب (۱۹۶۲ء) میں وزیر خارجہ بیمار ہو گئے۔ تو وزارت خارجہ کو بھٹو کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ اور ایک سال کے بعد انہیں وزیر خارجہ بنا دیا گیا۔

برق رفتار عروج کے اس زمانے میں بھٹو ایک رجعت پسند جماعت مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ اگرچہ وہ اس کی بعض پالیسیوں سے اتفاق نہیں کرتے تھے لیکن جنگ (ستمبر ۱۹۶۵ء) کے فوراً بعد بھٹو نے اس سے علیحدگی کی اور بائیں بازو کی طرف جھکاؤ کا تاثر دینا شروع کر دیا۔

بھٹو نے ۱۹۶۶ء میں وزیر خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور ایوب خان کو آمر قرار دیا اور ایک نئی پارٹی "پاکستان پیپلز پارٹی" قائم کی جس نے اپنے منشور میں دیگر باتوں کے علاوہ "اسلامی سوشلزم" کے نفاذ کا وعدہ کیا۔

پھر بھٹو نے پاکستان میں عوامی سیاست کو رواج دیا وہ سڑکوں پر آ گئی اس سیاست کو اس کے مخالفین نے "بازاری سیاست" کا نام دیا لیکن بھٹو مقبول ہوتا گیا اس نے ایوب کے خلاف تحریک چلائی۔ لیکن یہ مظاہرے تشدد کی صورت اختیار کر گئے۔ ایوب خان نے بھٹو کو جیل میں ڈال دیا۔ اور تحریک کو دبانے کے لئے بھرپور طاقت کا استعمال کیا۔

ایوب خان کو معزول کر دیا گیا اور جنرل یحییٰ خان نے عنان حکومت سنبھالی۔ بھٹو پھر سیاسی افق پر نمودار ہوا، اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں اس کی پارٹی نے قومی اسمبلی میں

ہیرالڈ ٹریبیون (نیویارک) ۷ فروری ۱۹۷۹ء

بھٹو کا جرم

اسرائیل دشمنی فلسطین دوستی

****

اور ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ

راولپنڈی ۔ پاکستان ۔ ۶ فروری سپریم کورٹ آف پاکستان نے آج سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور ہم دوسروں کو تقریباً ۵ سال قبل ایک سیاسی مخالف کو قتل کرنے کی سازش کے الزام کے تحت دی جانے والی سزائے موت کی تصدیق کر دی ہے۔

چیف جسٹس انوار الحق نے کھچا کھچ بھرے ہوئے کمرۂ عدالت کے سامنے سات ججوں پر مشتمل بینچ کا فیصلہ پڑھتے ہوئے کہا کہ ٹریبونل کی اکثریت نے فیصلے سے اتفاق کیا ہے۔

مسٹر بھٹو کے وکلاء نے، بذریعہ تار ملنے والی اطلاعات کے مطابق، کہا کہ وہ عدالت سے نظرِ ثانی کی درخواست کریں گے۔ آخری چارۂ کار کے طور پر سابق وزیر اعظم صدر محمد ضیاء الحق سے براہِ راست اپیل کر سکتے ہیں لیکن مسٹر بھٹو کہہ چکے ہیں وہ جنرل ضیاء سے رحم کی درخواست کرنے کی بہ نسبت پھانسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

صدر کارٹر اور اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کرٹ والڈ ہائیم نے درخواست کی ہے کہ بھٹو کی جان بخشی کی جائے۔ بھٹو کو پھانسی ہوتی ہے یا نہیں اس کا انحصار فیصلے پر نظرِ ثانی کے نتیجے، جس کی درخواست ان کے وکیل یحییٰ بختیار نے فوری طور پر کی اور صدر ضیاء سے جنہوں نے ۱۹۷۷ء میں بھٹو کا تختہ الٹا تھا، رحم کی درخواست اگر کی جائے، تو اس کے نتیجے پر ہوگا۔

تین ججوں کا اختلاف

مسٹر بھٹو کے خلاف فیصلے سے ۳ ججوں نے اختلاف کیا اور مسٹر بھٹو کی رہائی کے حق میں فیصلہ دیا جسٹر بختیار نے کہا اور مزید کہا کہ یہ عدالتی نظرِ ثانی کے لئے "مضبوط بنیادیں" ہیں۔

مسٹر بختیار جو بھٹو کی حکومت میں اٹارنی جنرل تھے سپریم کورٹ سے درخواست کی کہ پھانسی کے پورے ۳۰ دن کے لئے التوا کا حکم جاری کیا جائے، یہ وہ مدت ہے جس کی نظرِ ثانی کے لئے اجازت ہے۔ لیکن عدالت

انہوں نے ملک کے وقار کو بلند کیا، ان کی قومی خدمات کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں

بھٹو شام کے صدر حافظ الاسد کے ساتھ

نے یہ درخواست مسترد کردی۔

سزا پانے والے ۵ افراد کو رحم کی درخواست کرنے کے لئے ایک ہفتے کا وقت دیا گیا۔

۵۱ سالہ مسٹر بھٹو جو اپنی اپیل پر فیصلے کے انتظار میں راولپنڈی جیل کی کوٹھری میں محصور رہے ہیں، فیصلہ سننے کے لئے عدالت میں موجود نہیں تھے۔

حکومت نے بظاہر اس خطرے کے پیش نظر کہ اگر عدالت کا فیصلہ سابق وزیراعظم کے خلاف گیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے پچھلے چند دنوں میں ملک بھر میں مسٹر بھٹو کے سیاسی حامیوں کی گرفتاری کا حکم دیا اور ملک کے کالجوں، یونیورسٹیوں اور بعض نچلے درجے کے اسکولوں کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کرنے کی ہدایت کی۔

بیوی "حفاظتی حویلے" میں

یہ بھی اعلان کیا گیا کہ مسٹر بھٹو کی بیوی نصرت کو قریب ہی واقع دارالحکومت اسلام آباد میں ان کی قیام گاہ میں "حفاظتی تحویل" میں لے لیا گیا ہے۔ جہاں بھٹو کی بیٹی بے نظیر پہلے ہی سے نظر بند تھیں۔ دوسری بیٹی اور دو بیٹے ملک سے باہر ہیں۔

عدالت شروع ہونے سے پہلے منتظر گمبھیر مجمع میں ایک شخص کو پولیس نکال لے گئی۔ اس سے پہلے اس نے اردو میں نعرہ لگایا تھا کہ "اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" یہ اشارہ مارشل لا حکومت کی طرف تھا جو اس وقت ملک پر حکمران ہے۔

وہ لوگ جنہیں مسٹر بھٹو کے ساتھ سزا دی گئی ہے سب کے سب حکومت کی ایک سیکیورٹی ایجنسی کے افسر تھے۔ پانچوں سزا یافتہ افراد کو پچھلے سال مارچ میں بھٹو حکومت کے پُرجوش نقاد اور پارلیمنٹ کے رکن احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کی سازش پر سزا سنائی گئی تھی۔

مسٹر قصوری کی کار پر اس وقت گھات لگا کر حملہ کیا گیا تھا جب کہ وہ اور ان کا خاندان لاہور میں ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کو شادی کی ایک تقریب سے لوٹ رہے تھے۔ مسٹر قصوری کو کوئی چوٹ نہیں آئی لیکن ان کے والد قتل ہو گئے۔

سیکیورٹی افسروں میں سے ۲، ارشد اقبال اور رانا افتخار حملے کے مجرم پائے گئے، دوسرے ۲ افسر میاں عباس سیکیورٹی فورس میں ڈائریکٹر آپریشنز اینڈ انٹیلی جنس اور اس ایجنسی میں انسپکٹر غلام مصطفیٰ کو حملے کے لئے خود کار ہتھیار فراہم کرنے پر سزا دی گئی۔ مسٹر بھٹو کو حملے کے ایما پر سزا دی گئی۔

سزا یافتہ افراد کو ۷ سال قید کی بھی سزا دی گئی تھی۔ یہ عرصہ انہیں پھانسی کی سزا میں تخفیف ہو جانے کی صورت میں جیل میں گزارنا تھا۔

حکومت نے مسٹر بھٹو کے خلاف ۶ اور چھوٹے الزامات بھی لگا رکھے تھے۔ ان الزامات میں انتخابی دھاندلی سرکاری اختیارات کا ناجائز استعمال، سرکاری رقوم کا ناجائز خرچ اور ملک سے باہر سے خریدے ہوئے سامان پر کسٹم ڈیوٹی بچانا شامل تھے۔

رحم کی اپیلیں

ساڑھے پانچ سال تک پاکستانی حکومت کے سربراہ پہلے صدر اور اس کے بعد وزیراعظم کی حیثیت سے مسٹر بھٹو نے بہت سے سفر کئے تھے، وہ کئی غیر ملکی سیاستدانوں کے ذاتی دوست بن گئے تھے۔ اطلاعات یہ تھیں کہ اونچے مناصب پر فائز ان کے دوستوں میں سے بعض نے جن میں ایران کے شاہ رضا پہلوی بھی شامل تھے، مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے لکھا تھا۔

آج مسٹر بھٹو کی جان بچانے کے لئے ایمنسٹی انٹرنیشنل انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس اور برطانوی وزیراعظم جیمس کالیھان سمیت کئی حکومتوں کے سربراہوں کی طرف سے اپیلیں وصول ہوئی ہیں،

سابق وزیراعظم ایک شہری آدمی ہیں جنہوں نے دولت میں آنکھ کھولی اور جنہوں نے آکسفورڈ اور برکلے میں واقع یونیورسٹی آف کیلی فورنیا میں تعلیم حاصل کی۔ وہ بادشاہوں اور صدور کے ساتھ آسانی سے گھل مل جاتے تھے۔ مسٹر بھٹو میں یہ اہلیت بھی تھی کہ وہ اپنی قوم کے کارخانوں کے مزدوروں اور کسانوں سے ربط رکھیں، جو کوئی اور پاکستانی لیڈر نہیں کر پائے گا۔

۱۹۷۱ء میں حوصلہ شکن جنگ کے بعد جس میں پاکستان کا مشرقی علاقہ آزاد بنگلہ دیش بن گیا، قومی افتخار کو بلند کرنے کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف ان کے بعض دشمنوں نے بھی کیا ہے۔

مگر دوسرے ناقدین نے اس بدانتظامی میں مسٹر بھٹو کے کسی حد تک ذمہ دار ہونے کا الزام لگایا جس کے نتیجے میں علیحدگی واقع ہوئی جس میں پاکستان اپنی سابقہ آبادی میں سے آدھی سے زیادہ اور کافی حد تک قومی صنعتی بنیاد سے محروم ہو گیا۔

مسٹر بھٹو کو لاکھوں پاکستانیوں کی وفاداری حاصل رہی ہے مقدمے کی سماعت سے پہلے اور اس کے دوران انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ بیرونی طاقتوں کی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔

پاکستان کے سابق وزیراعظم کا مفہوم یہ تھا کہ امریکہ نے ان کے خلاف مقدموں کو شہہ دی ہے کیونکہ وہ اسرائیل کے خلاف فلسطینی کاز سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور وہ فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ خریدنے پر مصر تھے جس کے ذریعے پاکستان اپنے ایک ایٹمی ری ایکٹر میں استعمال شدہ ایندھن کو ایسے مواد میں تبدیل کر سکتا تھا جو ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہو سکے۔

مسٹر بھٹو کی معزولی نے اس منصوبے کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

**

بھٹو کو پھانسی دینے سے پاکستان ٹوٹ جائیگا

علیحدگی کی تحریکوں کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے

دی جاپان ٹائمز، فروری ۷۹ء

بھٹو نے کہا، رحم کی بھیک مانگنے کی بجائے تختہ دار پر چڑھنے کو ترجیح دوں گا

پاکستان کے سپریم کورٹ نے منگل کو سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کر کے قوم کو سنگین سیاسی بحران میں دھکیل دیا۔

بھٹو کے وکلاء نے کہا کہ وہ بھٹو کو دی جانے والی پھانسی کی سزا منسوخ کرانے کے لئے عدالت سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کریں گے۔ اگر عدالت نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کو بھی مسترد کر دیا تو ۵۱ سالہ سابق وزیر اعظم کو صدر ضیاء الحق سے جنہوں نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء میں فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کیا تھا۔ رحم کی درخواست کرنی ہوگی لیکن بھٹو کہہ چکے ہیں کہ وہ ضیاء سے رحم کی بھیک مانگنے کی بجائے تختہ دار پر چڑھنے کو ترجیح دیں گے۔

عدالت نے اپنے اکثریتی فیصلے میں چار سابق وفاقی پولیس والوں کی سزائے موت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے بھٹو کے حکم پر اپوزیشن کی ایک شخصیت پر گھات لگائی تھی۔

سیاست دان احمد رضا قصوری اپنی کار پر حملے کے دوران بچ گئے لیکن اس کا باپ گولیاں لگنے سے مر گیا۔

ضیاء حکومت نے امکانی عوامی ردعمل اور ہنگامے کو روکنے کے لئے اپوزیشن کے ۵۵ ہم رہنماؤں کو جن میں بھٹو کی اہلیہ اور ان کی صاحبزادی بھی شامل ہیں، گرفتار کر لیا۔ جبکہ اپوزیشن کے ذرائع کے مطابق گرفتار ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں بتلاتے ہیں۔

فیصلے کے اعلان سے قبل یہ واقعہ پیش آیا کہ جونیئر آرمی لفٹیننٹ کی وردی میں ایک نوجوان سپریم کورٹ میں داخل ہو گیا اور چلایا "اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی بھی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا"۔ یہ شخص جو اپنا نام ٹیپو سلطان بتاتا تھا، کمرہ عدالت میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا حالانکہ سینکڑوں پولیس والے اور فوجی دستے سپریم کورٹ اور علاقے کو گھیرے ہوئے تھے۔

بھٹو، جس نے ضیاء کے ہاتھوں معزولی سے قبل پاکستان پر ساڑھے پانچ سال حکمرانی کی، کہہ چکے ہیں کہ وہ قتل کے الزامات تسلیم یا رحم کی اپیل کرنے کے بجائے پھانسی پر لٹکنا پسند کریں گے۔

دسمبر میں بھٹو نے عدالت میں کہا تھا کہ "میں یہاں رحم طلب کرنے نہیں آیا۔ میں یہ الزامات ماننے کی بجائے دار پر چڑھ جانے کو ترجیح دوں گا۔" دوسری جانب ضیاء وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کریں گے، "اگر سپریم کورٹ انہیں بری کر دیتی ہے تو میں انہیں رہا کر دوں گا اور اگر وہ بھٹو کو پھانسی دینے کا حکم دیتی ہے تو میں انہیں پھانسی پر چڑھا دوں گا۔"

بھٹو اب بھی پاکستان میں مقبول ہیں۔ اسی لئے حکومت نے مارشل لاء کو سخت کیا اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کیں تاکہ کسی نئے تشدد آمیز ہنگامے کی روک تھام کی جا سکے۔ پاکستان کی آزادی کے ۳۲ سال میں متعدد بار ایسے ہنگامے ہوئے۔ یہ وقفے وقفے سے ہوتے رہتے ہیں اور ملک کو مفلوج کر دیتے ہیں۔

حفاظتی فورسیں، قومی ریلوے، سرکاری دفاتر اور رفاع عامہ کے اداروں پر مامور کر دی گئیں اور یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں۔

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا اور بنگلہ دیش وجود میں آیا، کے بعد بھٹو کی قسمت کا بحران پاکستان کو متاثر کرنے والا سب سے زیادہ سنگین سیاسی دھچکہ ہے۔

امریکی "پالیسی میکرز" کو اس امر پر تشویش ہے کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے پاکستان سیاسی طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے اور بلوچ اور پختون (اقلیتی) آبادی میں علیحدگی کی تحریکات کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے! امریکی حکام کا کہنا ہے کہ ایران میں عدم استحکام اور افغانستان میں سوویت نواز انقلاب کے بعد۔ اس علاقے میں سوویت یونین کے لئے حالات سازگار ہو گئے ہیں۔

*

بھٹو تاریخ میں ایک عظیم انسان کی حیثیت سے زندہ رہیں گے

بنگلہ دیش ٹائمز (ڈھاکہ)، فروری ۷۹

اے پی کی اطلاع ہے کہ پاکستان سپریم کورٹ نے ۴-۳ کے فیصلے کے ذریعے معزول وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے مجرم قرار دیئے جانے اور پھانسی کے ذریعے موت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔

اس کے بعد عدالت نے مسٹر بھٹو کے وکیل کی اس درخواست کو مسترد کر دیا کہ پاکستان کے سب سے زیادہ شہرت یافتہ عدالتی مقدمے پر آخری قانونی نظر ثانی کی کارروائی کے لئے سزا پر عملدرآمد ۳۰ دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے بہر حال اعلیٰ ترین عدالت نے وکیل صفائی کو یقین دلایا کہ رحم کی درخواست کے لئے عام رواج کے تحت جو ۷ دن کی مدت دی جاتی ہے اس کے دوران مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جائے گی اور صفائی کو مشورہ دیا کہ مزید وقت کے لئے باقاعدہ درخواست پیش کرے۔

چیف جسٹس انوار الحق نے فیصلہ لکھا جس میں لاہور ہائی کورٹ کے ۸ مارچ ۱۹۷۸ء کے فیصلے جس میں مسٹر بھٹو اور ۴ دوسرے مدعا علیہان کو ایک سیاسی قتل کی سازش کرنے اور اس کا بندوبست کرنے کا مجرم قرار دیا گیا تھا اور پانچوں کو سزائے موت سنائی گئی تھی کو برقرار رکھا، ۳ ججوں نے اس سے اتفاق کیا۔

عدالت نے ۴-۳ سے بھٹو اور ایک دوسرے مدعا علیہ مسٹر بھٹو کی فیڈرل سیکورٹی فورس کے آپریشنز چیف میاں عباس کو سزائے موت دینے کے حق میں فیصلہ دیا۔ دوسرے ۳ مدعا علیہان کو مجرم قرار دینے اور سزائے موت دینے کا فیصلہ متفقہ طور پر دیا گیا۔

صدر ضیاء الحق کی فوجی حکومت نے قوم کے سب سے زیادہ جانے پہچانے سیاستدان کی حمایت میں مظاہروں کا سر کاٹنے کی کوشش کی۔ ۴ صوبوں میں اسکول بند کر دیئے گئے۔ سیاسی طور پر سرگرم مسٹر بھٹو کی بیوی کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور ان کی پیپلز پارٹی کے اکثر رہنما اور کارکن جیل میں تھے۔

مسٹر بھٹو کی طرف سے درخواست کرتے ہوئے سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے عدالت سے کہا کہ مسٹر بھٹو سزائے موت کو برقرار رکھنے کے فیصلے کے خلاف درخواست دائر کرنا چاہتے ہیں۔

مسٹر جسٹس انوار الحق نے کہا کہ اس وقت یہ درخواست کرنا "موزوں نہیں" ہے۔ درخواست عدالت میں پیش ہونی چاہیئے جو یہ فیصلہ

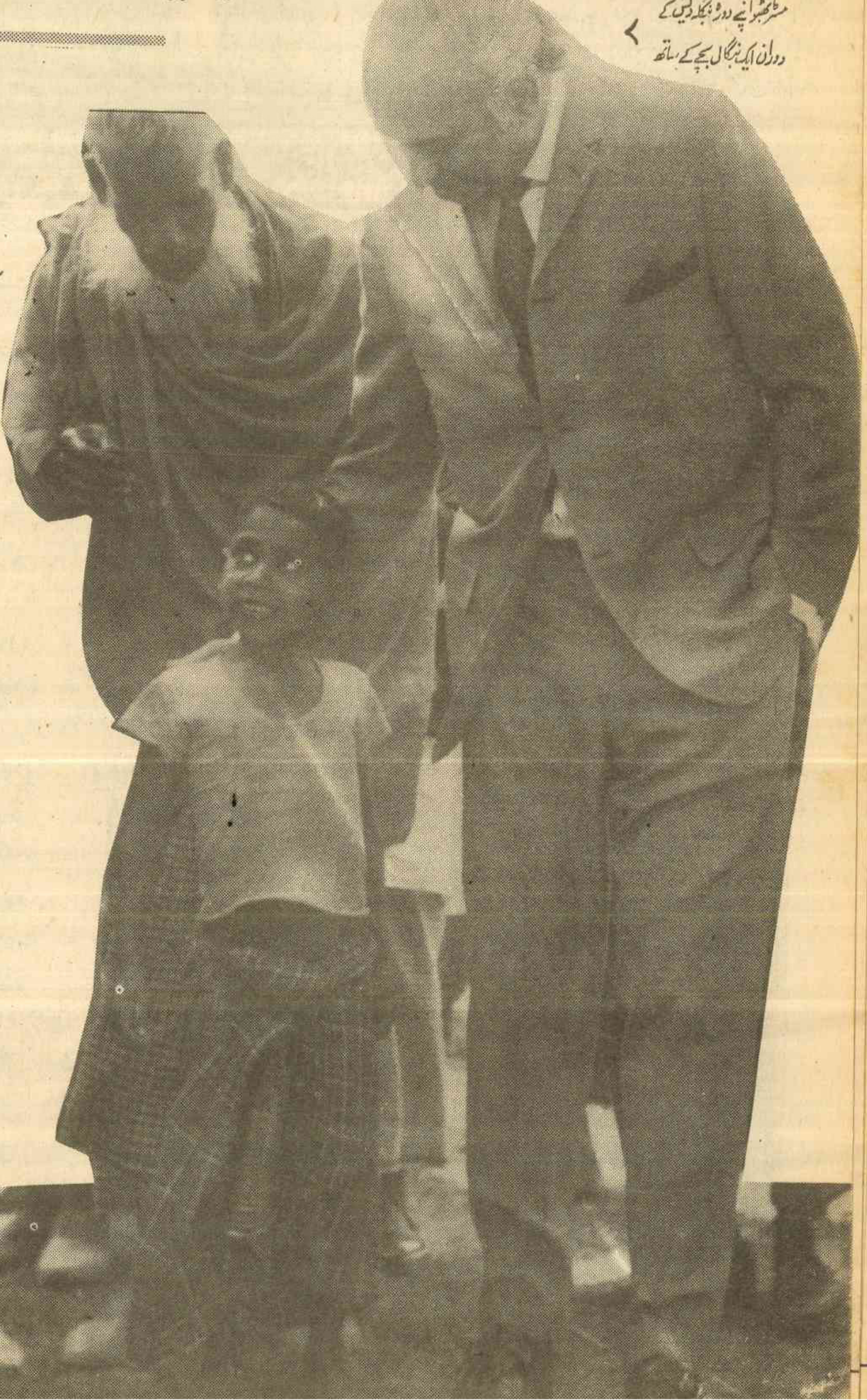

مسٹر بھٹو اپنے دورۂ بنگلہ دیش کے دوران ایک بنگالی بچے کے ساتھ

اکثریت حاصل کرلی لیکن مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) نے خود مختاری کے بارے میں جو مطالبہ کیا، اس سے سیاسی بحران پیدا ہوگیا اور قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو سکا۔ یحیٰی خان نے مشرقی پاکستان کو حکومت دینے کی بجائے طاقت کا استعمال کیا اور فوجی کارروائی کی جس سے خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ پھر بھارت نے مداخلت کی جس کا نتیجہ آزاد بنگلہ دیش کی صورت میں برآمد ہوا۔

بھٹو کو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ بنا کر پاکستان کے دفاع کے لئے اقوام متحدہ میں بھیجا گیا اور وہ امریکہ ہی میں تھے کہ یحیٰی خان نے اپنے استعفیٰ کا اعلان کر دیا اور بھٹو کو صدارت کی پیش کش کی۔

ایک یا دو دن کی بڑھتی ہوئی کشیدگی کے بعد وہ پاکستان واپس آئے۔ اور اپنے ہیرو نپولین کی سی جرأت اور برق رفتاری سے اپنے فوجی مخالفین کو سبکدوش کر دیا۔ اور اپنی کابینہ تشکیل دے دی۔

ملک کے ۲۲ سرمایہ دار خاندانوں کا زور توڑنے اور انہیں زمین پر لانے کے لئے بھٹو نے مالیاتی اقدامات کئے۔ اور اس طرح اس نے اشرافیہ سے علیحدگی اور عوام کا دوست ہونے کا مظاہرہ کیا۔ اس کے علاوہ مزید اصلاحات کیں۔ جن میں کوڑوں کی سزا کا خاتمہ بھی شامل تھا۔ صدر مملکت کی حیثیت سے اس نے موت کی تمام سزاؤں میں تخفیف کی۔ ایسی روایت جس کی اس کے جانشین جنرل ضیاء الحق پیروی کرتے نہیں نظر آتے۔

نیوز ویک ۱۹ فروری ۱۹۷۹ء

عوام کی اذیت کا دور اب شروع ہوگا

بھٹو کی پھانسی بغاوت کا راستہ کھول دے گی

کی جاتی ہے؟

گذشتہ ہفتے ذوالفقار علی بھٹو راولپنڈی جیل کی اس بغیر کھڑکی والی بدبودار کوٹھڑی میں بیٹھے ہوتے تھے، جہاں انہوں نے پچھلے ۹ ماہ بسر کئے ہیں۔ لیکن سابق وزیر اعظم کے بے شمار دوست اور دشمن قریب ہی واقع سپریم کورٹ کے کمرۂ عدالت میں اژدہام کئے ہوتے تھے۔ جہاں جج بھٹو کو سزائے موت کا فیصلہ دینے والے تھے۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سفید وگ اوڑھے ہوئے چیف جسٹس انوار الحق کو ایک پیراگراف پر مشتمل رائے کے پڑھنے میں ایک منٹ سے کچھ ہی زیادہ وقت لگا۔ اور اس مختصر عرصے میں بھٹو کی آخری امید بھی اسی طرح ختم ہوگئی جیسے وقت بتانے والے شیشے میں ریت ختم ہو جاتی ہے۔ جج نے کہا، "یہ اپیل مسترد

سپریم کورٹ کے ۴ اور ۳ کے فیصلے نے ایک سیاسی مخالف کو قتل کرنے کی سازش پر سزا یافتہ بھٹو کو پھانسی اور پاکستان کو افراتفری اور ہنگامے کے قریب تر دھکیل دیا۔ اس ہفتے بھٹو کے وکلا کو ایک آخری اپیل داخل کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اگر جیسا کہ توقع کی جاتی ہے یہ بھی منظور نہ ہوئی تو بھٹو کا آخری سہارا جنرل ضیاء الحق سے جان بخشی کی درخواست ہوگی۔ جنہیں گذشتہ ہفتے بھٹو کی جان بخشی کے لئے عالمی رہنماؤں کی جانب سے اپیلوں کا ایک انبار وصول ہو چکا ہے۔ بھٹو نے عہد کیا ہے کہ وہ رحم کی درخواست نہیں کریں گے اور جنرل ضیاء کہہ چکے ہیں کہ وہ اسے منظور نہیں کریں گے۔ کئی لوگوں کو یقین ہے

کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے ان کے حامیوں کی طرف سے تشدد آمیز بغاوت شروع ہو جائے گی اور وہ جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے لئے ایک امتحان ہوگی۔ پچھلے ہفتے سوال یہ تھا کہ آیا ضیاء اس ممکنہ داخلی گڑبڑ اور بین الاقوامی تنقید کی بارش کو روکنا پسند کریں گے۔ یا جیسا کہ کئی افراد کا خیال ہے، یہ فیصلہ کریں گے کہ مردہ بھٹو، زندہ بھٹو کی

نسبت کم خطرہ ہیں۔

گرفتاریاں : گذشتہ ہفتے بھٹو نواز مظاہروں کی روک تھام کے لئے حکومت نے ہر طرح کی احتیاطی کارروائیاں کیں۔ اہم شہری علاقوں میں پولیس کے بھرے ہوئے ٹرک گشت کرتے رہے۔ سرکاری عمارات کے پہرے پر مامور محافظوں کی تعداد دوگنا کر دی گئی اور بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی سے تقریباً پانچ سو کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس طرح وہ اپنی پارٹی کے ایک ہزار سینیئر قائدین سے جا ملے جو پہلے ہی سے جیلوں میں بند ہیں۔ ان حالات کے سبب سپریم کورٹ کے فیصلے کے ردِ عمل میں منتشر اور پراگندہ مظاہرے ہوتے جن میں ایک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا کلاسکی تھا جب بھٹو کی اہلیہ بیگم نصرت نے ریڈیو پر فیصلے کی خبر سنی۔ تو وہ اسلام آباد کے بنگلے، جہاں وہ اور ان کی سرگرم اور متحرک بیٹی بے نظیر نظر بند تھیں سے دیوانہ وار نکلیں اور "جیگوار" میں بیٹھ کر جیل کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئیں۔ پولیس نے دس میل جیل تک خطرناک طریقے سے تعاقب کیا۔ اس کے باوجود وہ جیل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئیں جہاں وہ ۴۵ منٹ تک اپنے شوہر کے پاس رہیں لیکن بالآخر لیڈیز پولیس کے متعدد ارکان نے سخت ظالمانہ دنگا فساد کے بعد انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا۔

سزائے موت، ایک شدید نکتہ چینی کرنے والے کے باپ کے قتل کے الزام میں دی گئی ہے۔ جو نومبر ۱۹۷۴ء میں ہوا تھا۔ استغاثے کے مطابق بھٹو نے مشین گن کے حملے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجہ میں غلطی سے اُس کا (احمد رضا قصوری) باپ ہلاک ہو گیا جو اُسی کار میں سوار تھا۔ الزام کی سنگین نوعیت کے باوجود عالمی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد نے، جن میں صدر کارٹر، سوویت صدر برزنیف اور پوپ بھی شامل ہیں گذشتہ ہفتے جان بخشی کے لئے ضیاء سے اپیل کی بلکہ بعض روایتی دشمنوں نے بھی بھٹو کی جان بخشی کے لئے زور دیا ہے۔ بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے کہا "اس (بھٹو) کی پھانسی پوری دنیا میں مہذب سوسائٹی کے ضمیر کو صدمہ پہنچائے گی"۔

حمایت : ان اپیلوں کے باوجود ضیا حکومت بظاہر یہ سمجھتی ہے کہ بھٹو کی زندگی کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں اب بھی بھٹو کو بھاری مقبولیت اور حمایت حاصل ہے۔ اور بعض مبصرین کا کہنا ہے

پولیس نے ظالمانہ دنگا فساد کے بعد بیگم بھٹو کو گرفتار کر لیا

کہ اگر آج بھی الیکشن کرا دیا جائے تو بھٹو کی پارٹی پارلیمان میں اکثریت حاصل کر لے گی۔ اگرچہ ضیاء نے الیکشن کرانے کا وعدہ کر رکھا ہے لیکن اس کے ساتھی افسروں کا کہنا ہے کہ بھٹو کو لازمی طور پر امیدوار (الیکشن کے لئے) بننے کے لئے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ ایک مغربی سفارت کار نے کہا "بھٹو کی امکانی واپسی (اقتدار میں دوبارہ آنے) کا مطلب یہ ہے کہ جنرل خود پھانسی پر لٹک جائیں۔ اس لئے فوج فیصلہ کرتی ہے کہ بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے"۔

اگر ایسا ہوا تو پاکستان تشدد سے اشکبار ہو جائے گا۔ پیپلز پارٹی کے ایک عہدیدار نے پیش گوئی کی کہ "اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی یا فوج نے مارشل لاء ہٹا لیا تو پاکستان میں ایران سے بھی زیادہ تشدد ہو گا۔" اگرچہ اس بیان میں کسی حد تک مبالغہ آرائی ہو سکتی ہے تاہم مغربی مبصرین یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ بھٹو کی پھانسی بغاوت کا راستہ کھول دے گی۔ اسلام آباد میں ایک مغربی سفارتکار نے تنبیہہ کی۔ "شہید بھٹو سیاسی اور قبائلی اعتبار سے پاکستان کے غیر متاثرہ متعدد گروپوں کے مابین نقطہ اتفاق بن جائے گا۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ بھی جو اُسے اس کی زندگی میں پسند نہیں کرتے تھے، اُس کے مرنے کے بعد اُسے استعمال کرنا پسند کر سکتے ہیں"۔

اُنہیں یہ موقع جلد ہی مل سکتا ہے۔ بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار نے کہا "اگر عدالت نے دوسری اپیل بھی مسترد کر دی تو معاملے کا اختتام ہو جائے گا۔ وہ جس رفتار سے چل رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اگلے روز ہی اُسے پھانسی دے دیں گے"۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت شک میں مبتلا ہے کہ بھٹو خودکشی کر لیں گے۔ اس لئے اس نے حفاظتی اقدامات کئے ہیں۔ حکام نے بھٹو کی کوٹھری سے بجلی کے سوئچ تار اور پانی کے گھڑے ہٹا لئے ہیں۔ لیکن بظاہر قیدی (بھٹو) ایسا نہیں سوچ رہا۔ "میں نے اُنہیں مسکراتا اور "گڈ اسپرٹ" میں پایا۔" گذشتہ ہفتے بختیار نے بتایا، "وہ بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن اتنے مایوس نہیں تھے، جتنا مجھے خدشہ تھا جب میں نے انہیں فیصلے سے آگاہ کیا تو انہوں نے محض یہ کہا "اچھا ہوا" کہ روحانی اذیت اور ذہنی کوفت کا اختتام ہو گیا"۔

لیکن بھٹو کے لئے ڈرامے کا اختتام ابھی تک نہیں ہوا اور اس ملک کے عوام کے لئے روحانی اور ذہنی اذیتیں شاید اب شروع ہوں گی۔

دی اکانومسٹ لندن
۱۰ فروری ۱۹۷۹ء

فیصلے میں اختلاف نے ضیاء کے لئے خفیہ وعدے کو پورا کرنا آسان بنا دیا

اب جبکہ پاکستان کے سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت برقرار رکھی ہے، سابق وزیر اعظم پھانسی سے صرف دو ہی صورتوں میں بچ سکتے ہیں کہ عدالت خود اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے یا صدر ضیاء الحق سزا میں نرمی کر دیں۔

یہ دونوں صورتیں نہ تو آسان ہیں اور نہ ہی بظاہر منصفانہ، مسٹر بھٹو قابلِ رحم شخص نہیں ہیں جو الزام ان پر لگایا گیا ہے وہ تقریباً یقینی طور پر اس کے مجرم ہیں۔ کسی نئی شہادت کے بغیر اس ہفتے میں کئے جانے والے فیصلے میں کسی نرمی سے عدالت اور صدر مملکت دونوں کی بات جائے گی۔ صدر ضیاء نے جو اعلانیہ یہ وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ عدالت کے فیصلے پر عملدرآمد کریں گے، سزا میں نرمی کی تو ایسا محسوس ہوگا کہ وہ غیر ملکی دباؤ میں آگئے ہیں اور اپنے الفاظ سے پھر رہے ہیں۔

جاں بخشی کے نتائج پاکستان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں گے

بیگم بھٹو کو خوابگاہ میں بند کرکے باہر تالا لگا دیا گیا!

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کے لئے لڑنے والے وکلاء (صفائی) نے امید کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ پاکستان کے معزول وزیر اعظم ایک ماہ کی مدت میں پھانسی پالیں گے۔ منگل کے دن ملک کی سپریم کورٹ نے چار اور تین کے فیصلے کے تحت سزائے موت کو بحال رکھا تھا جو گزشتہ سال لاہور ہائی کورٹ نے قتل کی سازش کے جرم میں دی تھی۔

مسٹر بھٹو کے وکلاء نے نوٹس دیا ہے کہ وہ ان چار ججوں کے سامنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست پیش کریں گے جنہوں نے ان کو مجرم قرار دیا ہے۔ یہ نظر ثانی قانونی بنیاد پر ہوگی۔ امر واقعہ کی بنیاد پر نہیں۔ الّا یہ کہ ڈرامائی انداز میں کوئی نئی شہادت سامنے آجائے۔ یہ درخواست ۱۳ فروری تک پیش کرنی ہوگی جو فوری طور پر مسترد کی جا سکتی ہے یا اس پر تیس دن کے عرصے میں غور ہو سکتا ہے۔

بچاؤ کا دوسرا واحد راستہ پاکستان کے فوجی حکمران صدر ضیاالحق سے جاں بخشی کی اپیل ہے۔ مسٹر بھٹو خود کہہ چکے ہیں کہ وہ رحم کی اپیل نہیں کریں گے اور اپنے خاندان کو بھی ہدایت دے چکے ہیں کہ وہ رحم کی اپیل نہ کریں۔ لیکن رحم کی اپیلیں بیرون پاکستان سے آچکی ہیں۔ صدر کارٹر، اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کرٹ والڈ ہائم، برطانوی وزیر اعظم کیلہان اور متعدد دیگر سیاست دانوں کی اپیلیں پاکستان کے صدر کو مل چکی ہیں۔ مسٹر کیلہان نے دارالعوام کو بتایا کہ "مجھے یقین ہے کہ جاں بخشی کے نتائج قانون پر سختی سے عملدرآمد کرنے کے مقابلے میں پاکستان کے لئے زیادہ فائدہ مند ہوں گے اور جنرل ضیاء ایک عقلمند شخص ہیں۔ لیکن پاکستان میں بیشتر فوجی اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کرتے۔ ایک سینئر آفیسر نے یوں تبصرہ کیا "بھٹو کو پھانسی دینا خطرناک ہوگا لیکن بھٹو کو پھانسی نہ دینا تباہ کن ہوگا۔"

جنرل ضیاء نے جاں بخشی کی اپیلوں کے بارے میں اپنے رویئے کا اظہار کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تاہم بتایا جاتا ہے کہ ۱۹۷۷ء کی بغاوت کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے کے بعد انہیں موت کی سزا پانے والے تین سو افراد کی جانب سے رحم کی درخواستیں ملیں لیکن انہوں نے ہر درخواست کو مسترد کر دیا۔

عدالتی فیصلے کا اعلان کرنے میں چیف جسٹس انوار الحق نے ایک منٹ سے بھی کم وقت صرف کیا لیکن مکمل فیصلہ دو ہزار سے بھی زیادہ صفحات پر مشتمل ہے کیس کی بیشتر بنیاد فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود کی شہادت ہے۔ مسٹر محمود نے دعوٰی کیا کہ اسے مسٹر بھٹو نے ایک نوجوان سیاسی مخالف مسٹر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا لیکن گھات کے دوران غلطی سے مسٹر قصوری کے باپ کو قتل کر دیا گیا۔ اس مقدمے میں مسٹر محمود اپیل کنندہ نہیں تھا وہ سلطانی گواہ بن گیا اور اسے معافی بھی دے دی گئی۔

چیف جسٹس نے فیصلہ دیا کہ استغاثہ نے ثابت کر دیا کہ مسٹر بھٹو احمد رضا قصوری کو قتل کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس نے تیز اور تند تقریر کی تھی۔ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ مسٹر بھٹو نے مسٹر محمود کو حکم دیا کہ "احمد رضا قصوری کی لاش یا ایسی حالت میں کہ اس کے پورے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی ہوں پیش کیا جائے۔" انہوں نے مزید کہا کہ اس کا قطعی کوئی ثبوت نہیں ملا کہ مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمہ سیاسی اغراض کی بناء پر یا بین الاقوامی سازش کی بنیاد پر تیار کیا گیا اور انہوں نے اس الزام کو بھی

دی اکانومسٹ لندن، ۱۰ فروری ۷۹ء

لیکن ایسا کرنے کے لئے (سزا میں نرمی) صدر ضیاء کو ایک اچھا بہانہ مل گیا ہے۔ عدالت نے مسٹر بھٹو کے خلاف اکثریتی فیصلہ دیا۔ چار ججوں نے اپیل مسترد کرنے کے حق میں فیصلہ دیا جبکہ تین ججوں نے فیصلے سے اختلاف کیا۔ اقلیت نے نہ صرف سزائے موت مسترد کر دی بلکہ مسٹر بھٹو کے خلاف پورے کیس کو غیر ثابت شدہ قرار دیتے ہوئے انہیں بالکل بری کر دینے کا حکم دیا۔ اپنے اس فیصلے کے ذریعے انہوں نے مسٹر بھٹو کے اس موقف کو غلط ثابت کر دیا کہ ان کے مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت محض دکھاوا تھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے صدر ضیاالحق کو سزائے موت میں نرمی کر کے عمر قید میں بدلنے کی دلیل بھی فراہم کر دی ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ سزائے موت کے لئے اتفاق رائے یا کم از کم بھاری اکثریت ہونی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے وکلاء صفائی کو یہ قانونی بنیاد بھی فراہم کر دی ہے کہ وہ عدالت سے اسی کے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کریں۔ پاکستان کے قانونی نظام کی بنیاد برطانوی قانونی نظام پر ہے اور لارڈ چیف جسٹس ودگری نے ۱۹۶۹ء میں کوپر کیس میں رولنگ دی تھی کہ اپیل کورٹ کی طرف سے مجرم قرار دیئے جانے کے فیصلے کو کالعدم کیا جا سکتا ہے اگر ذرا بھی شبہ ہو کہ انصاف نہیں کیا گیا ہے۔

ان دو امکانات میں سے زیادہ آسان اور سہل صدر ضیاء کی جانب سے سزا میں نرمی ہوگی۔ منگل کو عدالت سے فیصلہ سنائے جانے سے قبل ہی صدر مملکت نے دوست حکومتوں کو یقین دلایا تھا کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جائے گی۔ ہمسایہ ملک ایران اور خود پاکستان میں اسلام کے غلغلے کے باوجود عدالت کے فیصلے میں اختلاف نے ان کے لئے اپنے خفیہ وعدوں کو پورا کرنا آسان کر دیا ہے۔ صدر ضیاء کے لئے اب اسلام کی سختی اور اس کے عدل دونوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کا موقع مہیا ہو گیا ہے کہ مجرم قرار دینے کا فیصلہ برقرار رہے لیکن سزائے موت میں نرمی کر کے اسے عمر قید میں تبدیل کر دیا جائے۔ پس دیوار زنداں پر غمال کا خطرہ شاید زمین میں دفن شہید سے کم ہو۔

رد کر دیا کہ لاہور ہائی کورٹ بغض و عناد رکھتا تھا۔

ججوں کے مابین اختلاف نے تلخ اور افسوسناک الزامات کو جنم دیا کہ عدالت کے اس اختلاف کی بنیاد محض صوبائی تھی۔ چار ججوں کا تعلق جنہوں نے مسٹر بھٹو کو مجرم قرار دیا، پنجاب سے ہے۔ جب کہ اختلافی فیصلہ دینے والے تین ججوں کا تعلق پاکستان کے دیگر صوبوں سے ہے۔ ان میں سے ایک مسٹر (جسٹس) صفدر شاہ نے اپنے فیصلے میں کہا "میرے ذہن میں اس بات پر ذرہ برابر بھی شبہہ نہیں کہ استغاثہ اپنا مقدمہ ثابت کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گیا۔"

سپریم کورٹ کے اندر اور باہر زبردست حفاظتی اقدامات اور پہرہ تھا۔ فیصلہ سننے کے لئے آنے والوں کی دو مرتبہ تلاشی لی گئی تھی۔ جب کمرہ عدالت میں ججوں کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ پیچھے سے فوجی وردی میں ملبوس نوجوان چلایا "اگر بھٹو کو سزا دی گئی تو میں کسی جنرل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا" اسے فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ فیصلے سے تین دن قبل فوجی حکام نے بڑے اختلاف کے متوقع مراکز کو کنٹرول میں لینے کے اقدامات کرتے تھے۔ مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور ان کے حامیوں کو گرفتار کر لیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ انہیں دو یا تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ چند سو افراد کو پکڑا گیا ہے۔ جبکہ پارٹی کے دعوے کے مطابق ہزاروں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ تمام اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا اور ہوسٹلوں میں مقیم طلباء کو اپنے اپنے گھروں کو چلے جانے کا حکم دیا گیا۔

مسٹر بھٹو کو سب سے پہلے فیصلے کے بارے میں اطلاع راولپنڈی جیل کے حکام سے ملی جنہوں نے غلطی سے بتایا کہ ان کی اپیل اتفاق رائے سے مسترد کر دی گئی ہے۔ مسٹر بھٹو کو ریڈیو کی خبروں سے صحیح صورت کا علم ہوا۔ انہیں چند گھنٹے قبل اسی گھر میں نظر بند کر دیا گیا تھا جہاں ان کی بیٹی اور آکسفورڈ یونین کی سابق صدر بے نظیر گزشتہ کئی ماہ سے نظر بند تھیں (جس دن فیصلہ سنایا گیا) اس دن مسز بھٹو کو موت کی کوٹھری میں مقید اپنے شوہر سے ہفتہ وار ملاقات کرنی تھی جب پولیس انہیں لینے نہیں آئی تو وہ تیزی سے کار چلاتی ہوئیں راولپنڈی جیل تک پہنچ گئیں۔ جہاں پولیس نے ان کا راستہ روکا۔ انہیں گھر واپس لایا گیا اور ان کو خواب گاہ میں بند کر کے تالہ لگا دیا گیا اور گھر کو بھی تالا لگا دیا گیا۔

مسٹر بھٹو کے وکلاء کا کہنا ہے کہ سابق وزیر اعظم نے خبر کو بڑے سکون اور نہایت جرأت سے سنا۔ ان کے خلاف یکے بعد دیگرے وائٹ پیپروں کی اشاعت سے انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ انہیں پھانسی ہو جائے گی۔

◆

سپریم کو...

راولپنڈی...

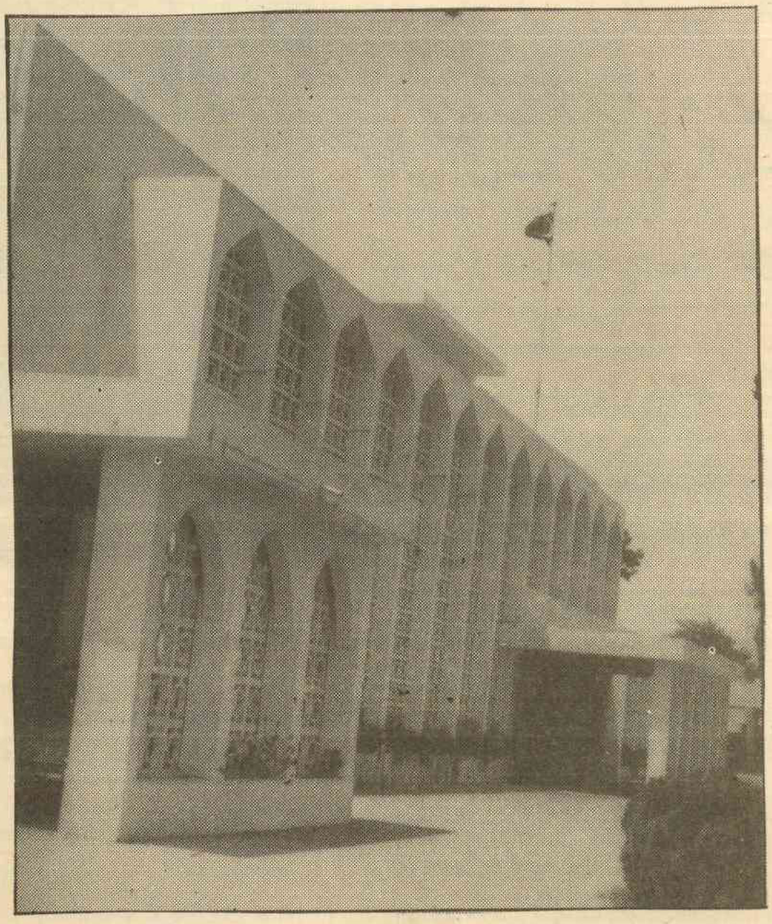

بھٹو کی...

بھٹو نے جنّ کو بوتل سے نکالا...

اسے دوبارہ بند نہیں کیا...

فار ایسٹرن اکنامک ریویو

۱۶ فروری ۹...

سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو...

مقامی عدالت کی طرف سے قتل کے مقد...

دے کر دی گئی سزائے موت کی پاکستان...

نے ۳ جج ایک طرف اور ۳ جج دوسری طر...

کے فیصلہ کن ووٹ کے ذریعے توثیق کر د...

تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں پھانسی...

بشرطیکہ سپریم کورٹ اپنے فیصلے پر نظرثانی...

جنتا کے لیڈر جنرل محمد ضیاء الحق اس سے...

نہ کریں۔

مگر ضیاء نے سماعت کے دوران...

رٹ کی بلڈنگ

یل کے باہر پولیس کا پہرہ

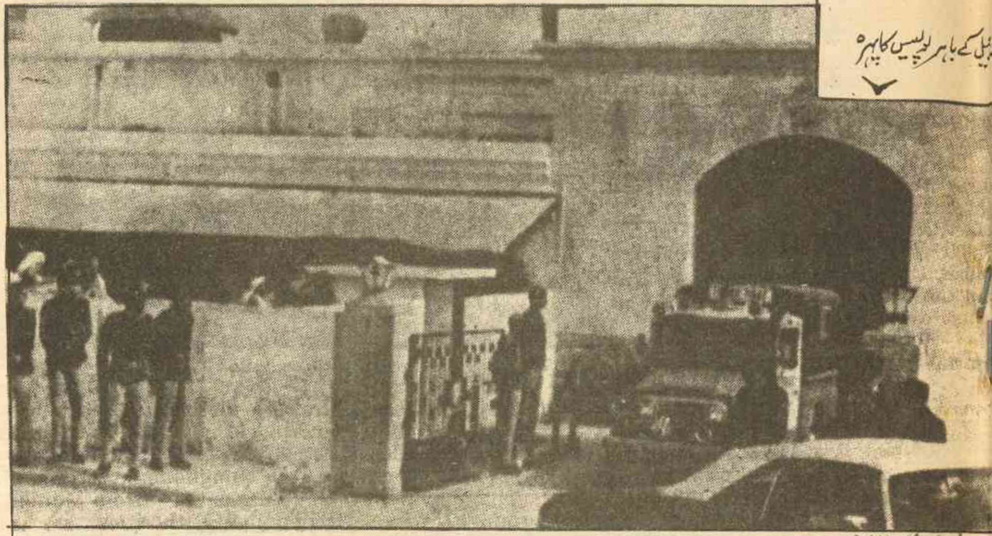

موت کے بعد بھی الیکشن میں "مثبت نتائج" برآمد نہیں ہوں گے

و' اب

جاسکتا

یو

'19

د کو اس سے قبل

ے میں مجرم قرار

کے سپریم کورٹ

رت اور چیف جسٹس

ردی ہے۔ انہیں

ی دی جاتی ہے

نی نہ کرے، یا

سزاؤں میں تخفیف

ں واضح کردیا تھا

میاں عباس

کہ وہ بھٹو کو مر جانے دیں گے، اگر عدالت یہ فیصلہ کرے اور اپنے دورِ اقتدار میں انہوں نے سزائے موت کے خلاف کوئی رحم کی درخواست منظور نہیں کی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بھٹو وزیر اعظم کی حیثیت میں سرکاری فائلوں کو فوری نمٹا دیا کرتے تھے مگر وہ سزائے موت کے خلاف اپیلوں کو نمٹانے میں انتہائی سست رفتار تھے، نتیجہ یہ کہ درجنوں مجرموں کو پھانسی کا حکم دینے کی ذمہ داری ان کے جانشین پر آن پڑی۔

کچھ عرصے سے ذمہ دار حلقے بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کی پیش گوئی کر رہے تھے۔ فیصلے سے ہفتوں پہلے حکومت نے بھٹو کے خلاف داغ لگانے کی ایک مہم شروع کی۔ خود فیصلے سے قبل پورے ملک میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ان رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاری کی لہر آئی جو ابھی تک جیل سے باہر تھے پورے ملک میں کالج اور یونیورسٹیاں غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے گئے۔ اس کے باوجود فیصلے نے ابتدائی طور پر بے یقینی کا ردِعمل پیدا کیا۔

پاکستان کی قانون کی تاریخ میں پہلے کبھی اتنا طویل اور تفصیلی قتل کا مقدمہ نہیں چلا اور پہلے کبھی ججوں میں ایسا اختلاف نہیں ہوا۔ وہ ۴ جنہوں نے سزائے موت کو برقرار رکھا وہ سب کے سب پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں بھٹو کو بری کرنے والے ۳ ججوں میں سے ایک کا تعلق شمال مغربی صوبہ سرحد سے اور ۲ کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے۔ ان ۳ میں سے ایک نے اس رائے کا اظہار کیا کہ

"تمام تفصیلات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ۲ اقبالی ملزموں (ملزم جنہیں استغاثے کا گواہ بنا لیا گیا) نے مل کر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کی سازش کی ہو، اور بدقسمتی سے ان کے باپ کو قتل کر دیا۔" طویل سماعت کے دوران بھٹو کی اپیل کی سماعت شروع کرنے والے نو ججوں میں سے ۲ ریٹائر ہو گئے۔ ان میں سے ایک شمال مغربی صوبہ سرحد سے اور دوسرے سندھ سے تھے۔

استغاثے کے مقدمے کی بنیاد یہ تھی کہ بھٹو، ایک برہم کرنے والے سیاسی حریف' چھوٹے قصوری کو مروانا چاہتے تھے اور فیڈرل سیکورٹی فورس کے سربراہ مسعود محمود سے کہا کہ ان کی ہلاکت کا انتظام کریں۔ اس کے بعد چلنے والی گولیوں سے قصوری کے والد ہلاک ہو گئے اور بیٹے بچ گئے اور انہیں کوئی زخم نہیں آیا۔ لاہور ہائی کورٹ کو دی جانے والی آتشیں اسلحہ کی شہادت الجھی ہوئی تھی اور اس پر سخت تنازعہ تھا اور قتل کے ارتکاب کا اعتراف کرنے والے ۴ میں سے ایک سرکاری ریکارڈ کے مطابق فائرنگ کے وقوعے کے وقت ... اپیل

دور تھا۔

بھٹو کے دفاع کا بڑی حد تک انحصار ان کے اس دعوے پر تھا کہ مقدمہ انہیں معزول کرنے کی ایک سازش تھا کیونکہ انہیں جمہوری طریقوں سے معزول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے دکھایا کہ سابق سیکیورٹی فورس کے سربراہ ابھی تک سرکاری ملازمت میں ہیں اور تمام معترف "قاتلوں" کو جو گواہ بن گئے تھے مکمل معافی دی گئی ہے۔ انہوں نے اس ذاتی عناد کا بھی ذکر کیا جو لاہور ہائی کورٹ کے سربراہ ان کے خلاف رکھتے تھے اور سماعت کے دوران بے قاعدگیوں کا بھی ذکر کیا۔

مقامی قانون کے تحت بھٹو ۷ فروری سے ۷ دن کے اندر سپریم کورٹ سے اپنے فیصلے پر نظرثانی کی درخواست کر سکتے ہیں۔ اگر فیصلہ پھر ایک بار برقرار رکھا جاتا ہے تو وہ جنرل ضیاء سے رحم کی درخواست کر سکتے ہیں۔ گو کہ ابھی انہیں نظرثانی کی درخواست کے بارے میں اپنے وکلا کے منصوبے کی منظوری دینی ہے مگر وہ انتظامیہ کو مطلع کر چکے ہیں کہ وہ ضیاء سے رحم کی درخواست نہیں کریں گے۔ بھٹو نے اس سے پہلے دھمکی دی تھی کہ اگر ان کے خاندان میں سے کسی نے ضیاء سے اپیل کی تو وہ اس سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیں گے۔

حکومت اور بھٹو کے مخالف سیاستدان دونوں کو اعتماد ہے کہ فیصلے پر ردعمل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ فیصلے کے چند گھنٹوں بعد جو اطلاعات ملیں وہ صرف دارالحکومت میں چند خوردہ احتجاجوں تک محدود تھیں۔ پھر بھی کچھ گڑبڑ کا اندیشہ ہے جیسا کہ خود عدالت میں فیصلے کے اعلان سے قبل ایک ڈرامائی واقعے سے نشاندہی ہوتی ہے۔ فوج کے ایک سارجنٹ نے جو اپنی وردی کی وجہ سے سخت حفاظتی پہرے سے گزر کر عدالت میں پہنچ گیا تھا چلا کر دھمکی دی کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو وہ ہر ایک جنرل کو ہلاک کر دے گا۔ پولیس اسے فوراً اٹھا لے گئی۔

بھٹو کی بیوی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین نصرت کو فیصلے سے پہلی شام کو ان کے اسلام آباد والے مکان میں نظربند کر دیا گیا تھا۔ دوپہر کے قریب فیصلہ سننے کے بعد وہ طوفانی انداز میں گھر سے نکلیں اور اس سے پہلے کہ حیران پہرے داروں کو ہوش آتا وہ ۱۵ میل دور راولپنڈی جیل جانے کے لئے اپنی گاڑی میں روانہ ہو گئیں۔ جیل پہنچ کر انہوں نے تقریباً ۴۵ منٹ تک بھٹو سے ملاقات کی۔ اس وقت تک پولیس کا دستہ ان کا پیچھا کرتا ہوا پہنچ گیا۔ تب انہیں گھسیٹا گیا اور وہ چلاتی رہیں مگر انہیں جیپ میں پھینک دیا گیا اور واپس ان کے گھر لے جایا گیا جسے سب جیل قرار دیا گیا ہے۔

پاکستان کے قانون کے تحت فیصلے پر کسی قسم کے تبصرے کی اجازت نہیں۔ بہرحال اس کے قانونی جواز سے قطع نظر بھٹو کو پھانسی دینے سے چند بنیادی اقدار میں یقین بھی یقیناً پھانسی چڑھ جائے گا۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ بھٹو کی موت ان "مثبت نتائج" کی ضمانت نہیں دے گی جن کا حصول بقول ضیاء الیکشن کے لئے پیشگی شرط ہے۔ کیونکہ بھٹو پہلے ہی ایک داستان بن چکے ہیں جو ان کے ساتھ ختم نہیں ہو جائیگی۔

بھٹو کے نقاد ہی نہیں بلکہ ان کے کئی ہمدرد بھی کہتے ہیں۔

وعدہ معاف گواہ مسعود محمود

الفاظ جو ان کی بہتر تصویر کشی کرتے ہیں۔ فارسی کا وہ مصرعہ ہے جس کا یہاں بہت حوالہ دیا جاتا ہے۔ "اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی"۔ ان کی روشنیٔ طبع نے ان کے بعض بدترین بدنام کرنے والوں میں اس قدر احساس کمتری پیدا کیا کہ وہ ۱۹۷۷ء کی بغاوت کے بعد یہ دلیل دینے پر مجبور ہوئے کہ چونکہ ایک انتہائی ذہین شخص نے پاکستان کو تباہی کے قریب پہنچا دیا۔ اس لئے یہ اب کم ذہین لوگوں کے ہاتھ میں محفوظ رہیگا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں کوئی دوسرا رہنما انتہائی قسم کے ردعمل پیدا کرنے میں ان کے ریکارڈ کی برابری نہیں کر سکتا۔ یا تو شدید ترین نفرت یا شدید ترین عقیدت۔ اس صورت حال کا بہترین عکاس امریکہ کے مرحوم نائب صدر نیلسن راکفیلر کا یہ تبصرہ ہے کہ "خدا کا شکر ہے کہ کسی انتخاب میں میرا ان سے مقابلہ نہیں ہے"

خلوص کی بہ نسبت چالاکی بھٹو کی پہچان تھی اور یہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ان کے ہم رتبہ ان پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور ان سے عقیدت رکھنے والے ان پر ایسا اعتماد کرتے تھے کہ کوئی عام فانی انسان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ۱۹۷۱ء کی خانہ جنگی کے اثرات کے بعد قوم کی انتہائی کامیاب رہنمائی اس کے بعد وہ درخشندگی جو انہوں نے لاہور اسلامی سربراہی کانفرنس سے حاصل کی اور کئی ممکنہ قومی تباہی کے خطرات سے بچانے میں ان کی کامیابی نے یہ بات ان کے لئے آسان بنا دی کہ دیوتاؤں جیسا تصور بن جائیں۔ مگر ان کے ناقدین کے لئے بھی اتنا ہی آسان تھا کہ وہ انہیں جنونی اور اخلاق سے مبرا بنا کر پیش کریں۔

برطانوی سامراجی دور کی باقیات از کار رفتہ سیاستدانوں پر غالب آ کر بھٹو نے ایسا تفاخر حاصل کر لیا جو ان کی ناگوار خو بن گئی۔ سیاسی حریفوں کے لئے ان کی حقارت کا اظہار جلسہ عام میں تقریروں میں ہوتا تھا اور دبی ہوئی ناراضگی کو ہوا دیتا تھا۔ اسی طرح اپنے ساتھیوں کی تحقیر کا ان کا رجحان بھی نمایاں تھا۔

سرکاری فائیلوں کے حاشیوں پر نوٹس کے انبار کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے زرہ بکتر کے اندر جھانکنے کی وزیراعظم کی خواہش لامتناہی تھی۔ اپنے ساتھیوں اور مخالفین کے افعال کے بارے میں تمام افواہیں اور اطلاعات پوری جزئیات کے ساتھ جمع اور محفوظ کی گئیں جو بعد میں ان کے فوجی جانشینوں کے ہاتھ میں ہتھیار بن گئیں۔

اکثر سیاست دانوں کی طرح بھٹو بھی وفاداری کو دوسری تمام خوبیوں پر فوقیت دیتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یقینی بنانے کے لئے غیر معمولی حدوں تک گئے۔ انہیں کبھی انسانوں کا اچھا پارکھ نہیں سمجھا گیا۔ انہوں نے اپنے اطراف چند لچوں کو جمع کر لیا اور ان کی وفاداری پر بھروسہ کر کے انہیں وسیع اختیارات دیئے جو بالآخر غلط طور پر استعمال کئے گئے۔ اپنی پارٹی کے لوگوں میں بھی انہوں نے ان لوگوں پر زیادہ انحصار کیا جو لین دین کے عادی تھے، یا اس سے بھی بدتر یہ کہ بداطواری کی بنا پر برطرف کئے جانے کے لائق تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ گروہ سب سے زیادہ غیر وفادار ثابت ہوا۔ اور اکثر ان کے ایسے حیرانگیز تبصرے کا سبب بنا "میں نے اس کے لئے اتنا کچھ کیا پھر

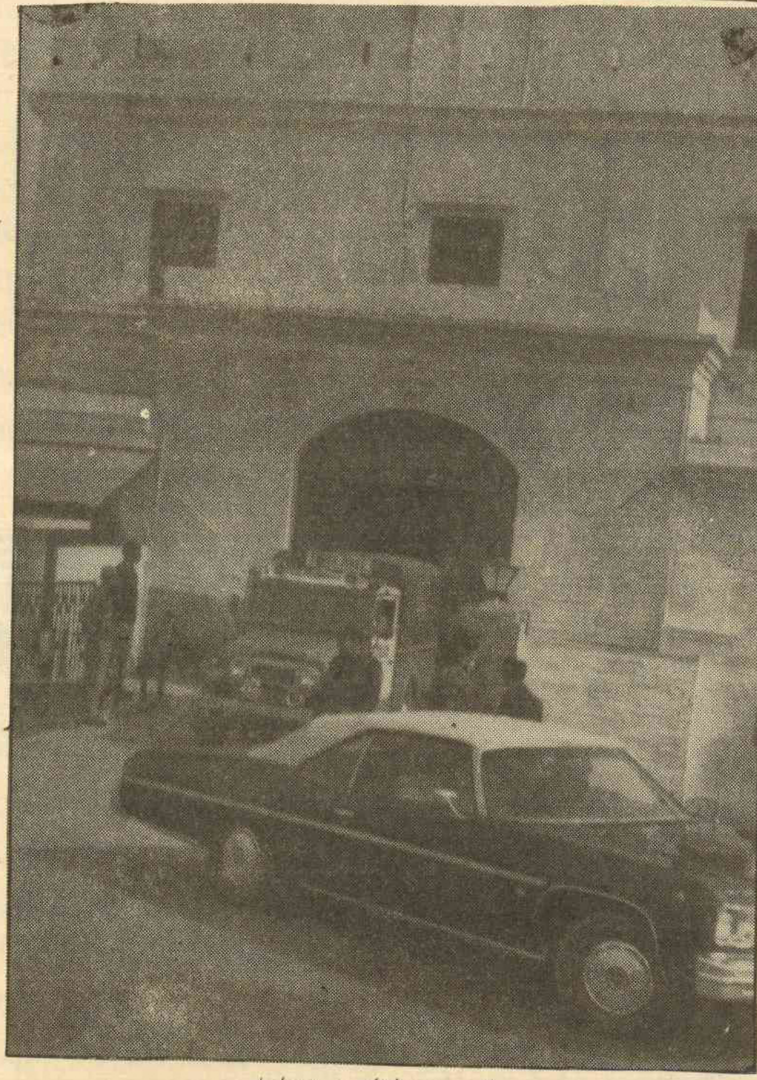

نصرت بھٹو کو جیپ میں ڈال کر لے جایا جا رہا ہے

بھی اس نے میرے ساتھ یہ کیا۔"

دوسروں کے لئے منطقی اور خود بھٹو کے لئے تعجب خیز یہ ہے کہ پچھلے ۲۰ ماہ میں جو لوگ جبر کے سامنے سینہ سپر رہے ہیں ان میں صرف چند ہی ایسے لوگ ہیں جو ان کے شریک حکومت تھے اور نہ زیادہ تر پاکستان پیپلز پارٹی کی نچلی سطح کے کارکن ہیں۔

ناقدین کے بقول بھٹو کی حد سے بڑھی ہوئی وفاداری کی خواہش ان کے عدم تحفظ کے شدید احساس سے پیدا ہوئی۔ اپنے ساتھیوں میں جھگڑوں کی حوصلہ افزائی کرنا ان کا جانا پہچانا انداز تھا۔

بھٹو نے پارٹی کے اندر کبھی انتخابات نہیں کراتے اور اس سے ان پر یہ الزام لگا کہ اس خطرے کے پیش نظر کہ کسی مرحلے پہ کوئی شخص پارٹی مشینری پہ قبضہ نہ کرلے، وہ پارٹی کے اندر ایسی قیادت کو وجود میں آنے دینا نہیں چاہتے جو ان کے اور پی پی پی کے عام اراکین کے درمیان حائل ہو۔

دائیں اور بائیں کے درمیان بھٹو کے ادھر اُدھر ہوتے رہنے کی وجہ ان کا زعم امیری کم اور اپنے موجودہ حالات کا مطالعہ زیادہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں یقین تھا کہ پاکستانی عوام کو مقامی طور پہ ایک دوسرے کے مقابل صف آرا دو نظریات اسلام اور مارکسزم میں سے کسی ایک کے ذریعے ہی اپنا حامی بنایا جا سکتا ہے۔ ایک جدید روشن خیال جمہوری اسلامی ریاست ان کی اپنی منزل مقصود تھی لیکن غربت زدہ عوام کے لئے کوئی متبادل نہیں تھا۔ ایسی صورت میں انہوں نے دو متحارب نظاموں کے درمیان تنے ہوتے رستے پر چلنے کی کوشش کی۔

ملک ٹوٹنے کے بعد بر سر اقتدار آ کر بھٹو نے اندازہ لگایا کہ مختلف النوع علیحدگی کے موجودہ رجحانات پر قابو پانے کے لئے انہیں وقت کی ضرورت ہے۔ گو کہ بالآخر وہ وقت کے خلاف اپنی دوڑ میں ہار گئے مگر پاکستان کے لئے اپنے اعلیٰ جذبات کو عملی صورت دینے کے لئے انہوں نے انتہائی تیزی کے ساتھ کام کیا۔

انہیں یقین تھا کہ عوام کی انتہائی غربت اور آبادی کے بڑے تناسب کے غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود پاکستان زراعت، صنعت، فوج اور جوہری سائنس میں اپنی خصوصی مہارت کی وجہ سے مسلم ممالک کی فہرست میں سب سے اوپر ہے۔ اس حیثیت کو فروغ دینے کی کوشش میں انہوں نے قدامت پرست اقتصادی ماہرین کے ان مشوروں کو نظر انداز کر دیا جو وہ مزید ایٹمی ری ایکٹر حاصل کرنے، متنازعہ ری پروسیسنگ پلانٹ لگانے اور ایسے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنے، جو بھٹو کے خیال میں خود کفالتی اقتصادی ترقی پیدا کر سکتے تھے، کے خلاف دیتے۔

بھٹو نے اسلام کے ساتھ سوشلزم کو شامل کیا اور اسلامی دفاعی گروہ بندی کی دعوت کے ساتھ تیسری دنیا کی غیر وابستگی کی حمایت میں اعلانات کئے۔ انتہا پسندوں سے اپنی قربت کے ساتھ ساتھ انتہائی قدامت پرستوں کے ساتھ ویسے ہی خوشگوار تعلقات قائم کئے اور اس توقع کے اعلانیہ اظہار کے ساتھ بین الاقوامی تنازعات کو طے کرنے کے لئے طاقتوں کو از سر نو متحد کرنے کے لئے آواز بلند کی کہ ایک دن پاکستانی فوجیں فاتح عرب افواج کی رفیق حرب کی حیثیت بیت المقدس میں داخل ہوں گیں۔ مذہبی کٹر پن انہیں سخت ناپسند تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لئے اقدامات کئے۔ دولت کے لئے حقارت کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے سرمایہ دار جو کچھ حاصل کر سکتے تھے اس کے لئے صحت مند احترام کا اظہار کیا۔

عوام کا بھٹو سے مسحور رہنا ایسی حقیقت ہے جس کی گہری جڑیں پاکستان کے سماجی حالات میں ہیں۔ ایسے ملک میں جہاں انتہائی معمولی اقلیت اخبار پڑھتی ہے، آزادی صحافت کا ایک بڑے سیاسی مسئلے میں تبدیل ہونا مشکل ہے۔ جب سیاسی حریفوں کے ساتھ بیہیمانہ سلوک کیا گیا تو عوام زیادہ متحرک نہیں ہوتے کیونکہ جن لوگوں کے

نہیں کیا جا رہا تھا وہ اکثر ایسے لوگ تھے جنہوں نے عوام کی طرف حقارت آمیز رویہ رکھا تھا۔ بھٹو پہلے سیاستدان تھے جنہوں نے مہم چلانے کا وہ انداز اختیار کیا جس سے مغرب کے جمہوریت پسند آشنا تھے لیکن جو پاکستان کے شریف سیاستدانوں کے لئے ناقابلِ تصور تھا۔

بھٹو نے روایتی خطیبانہ انداز کو مسترد کرتے ہوئے اپنی عوامی تقریروں میں بازار کی زبان استعمال کی، وہ جلسوں میں "عوامی سوٹ" (ڈھیلی قمیص اور گھیر دار شلوار) میں آتے تھے۔ انتخابی مہم اور وزیراعظم کی حیثیت سے دوروں میں بھٹو ان دور دراز علاقوں میں گئے جہاں اس سے پہلے اوسط درجے کے سرکاری افسر بھی نہیں گئے تھے۔

انہوں نے چند ایسے اقدامات کئے جنہیں شہری امراء نے تو کوئی اہمیت نہ دی لیکن جو گہرے سماجی اثرات کے حامل تھے۔ کیونکہ انہوں نے غریبوں پر امیروں کی صدیوں پرانی نفسیاتی گرفت کو توڑ دیا۔ چھوٹے بڑے انتظامی اقدامات کے ساتھ ساتھ جو انہوں نے کئے عوامی حقوق کے لئے ان کی مسلسل تقریروں نے عوام کو سیاسی بنایا، اور "سوجھ بوجھ رکھنے والے پاکستانی بجا طور پر پوچھتے ہیں"۔ بھٹو نے جن کو بوتل سے نکالا، کیا کوئی اسے واپس بند کر سکتا ہے"

***

بھٹو ازم زندہ رہے گا

انہوں نے حکومت میں عوام کو شامل کرکے پاکستانی سیاست کی نوعیت بدل دی تھی

فار ایسٹرن اکنامک ریویو
۱۶ فروری ۷۹ء

ذوالفقار علی بھٹو کا کتبہ یہ ہوگا کہ انہوں نے حکومت کی تشکیل کے عمل میں عوام کو شامل کرکے پاکستانی سیاست کی نوعیت ہی بدل دی تھی۔ موجودہ حالات میں یہ خلاصہ درست ہے یا بعد میں بھی جب وہ تقدیر کے کسی کرشمے سے اپنے کردار کو جاری رکھتے ہیں۔ یہ خلاصہ درست ہوگا۔

بھٹو کے دور سے پہلے دولت مند زمینداروں، پاکستان سول سروس (نوکر شاہی) کے سرغنوں اور ۲۲ صنعت کار خاندانوں کی سازباز سے حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی تھیں۔ ان جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے فوجی آمریتیں قائم کی جاتی تھیں۔ بھٹو خود بھی پہلے آمر اسکندر مرزا کے لاؤ لشکر میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کا ایک حصہ تھے اور اس کے بعد ایوب خان کے لاؤ لشکر میں شامل رہے اور وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے ان کی خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد بھٹو نے گلیوں کی سیاست کو اپنایا اور اور اس احتجاج کی قیادت کی جو طالب علموں نے ایوب خان کے خلاف شروع کیا تھا۔ سیاسی سائنس دان بھٹو نے خود اپنے حلقے کے لئے نوجوانوں، دانشوروں، غریب کسانوں اور بے رحم استحصال کے شکار شہری مزدوروں کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ بھٹو سوشلسٹ نہیں تھے لیکن ان کے عوامی پروگرام نے انہیں نہ صرف ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مغربی پاکستان کا مقتدر رہنما بنا دیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے نعرے "روٹی، کپڑا اور مکان" کو ایسا سکہ رائج الوقت بنا دیا کہ ہر پاکستانی سیاستدان چاہے وہ انتہا پسند ہو یا قدامت

پرست' کے لئے لازمی ہے کہ ووٹوں کی سودا بازی میں اس کا استعمال کرے۔

اقتدار ملنے کے بعد بھٹو نے زمین کی از سر نو تقسیم صنعتی مزدوروں کے لئے کم از کم اجرت اور دوسرے سماجی قوانین بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سے غریبوں کو وقار کا ایک نیا احساس ملا اور صدیوں پرانی مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کی بے صبری پیدا ہوئی۔

جو چیز بھٹو کے زوال کا سبب بنی وہ ان کا اپنا طبقاتی پس منظر تھا۔ وہ سماج کے خوشحال حصے کے ایک رکن تھے۔ ان کی سماجی وراثت نے انہیں سماجی انصاف کے لئے سماج کی از سرِ نو تشکیل کے اس وعدے کی تکمیل میں ہچکچاہٹ کا شکار بنایا جس کا انہوں نے اقتدار میں آتے وقت عہد کیا تھا۔ وہ اس منزل سے بہت پیچھے ہی رک گئے جو ان کے سماجی طبقے کو مہلک طور پر ختم کر دیتی۔ نہ ہی انہوں نے ان عوام پر انحصار رکھا جنہیں انہوں نے متحرک کیا تھا۔ بھٹو کے سیاسی کردار میں گھماؤ پھراؤ کی یہی وجہ تھی،

بھٹو کوئی سیاسی انحراف نہیں ہیں۔ وہ آزادی کے بعد کی جنوبی ایشیائی فضا ہیں۔ ان کے ہم پلہ مسز اندرا گاندھی (جن کا نعرہ تھا غریبی ہٹاؤ) اور سری لنکا کے پہلے انتہا پسند وزیراعظم سولومن بندرانائیکے (۵۹-۱۹۵۶ء) اور ان کی بیوہ سری ماؤ بندرانائیکے ہیں۔

بھٹو کی طرح وہ بھی عوامی سیاستدان، بھٹو کی طرح وہ بھی خوشحال اور امیر طبقے سے آتے تھے اور بھٹو کی طرح وہ تینوں معاشی اصلاحات اور جاگیردار، سرمایہ دار گروہوں سے سمجھوتے کے درمیان چکراتے رہے۔ چاروں نے ان نئی سیاسی طاقتوں کی ترجمانی کی جو آزادی کے بعد کم خوشحال لوگوں میں ابھری تھیں۔

اس طرح بھٹو پھانسی پر موت سے ہمکنار ہوں، یا جیل میں گھل جائیں مگر بھٹو ازم۔ یا اگر محاورہ استعمال کیا جائے تو آزادی کے بعد "بڑھتی ہوئی توقعات کا انقلاب" جاری رہے گا۔ ابتداً خفیہ طور پر اور اس کے بعد جیسے جیسے اس کی مایوسیاں ناقابلِ برداشت ہو جائیں تو کھلے ہوئے تشدد کی صورت میں جاری رہے گا۔ بھٹو کو پھانسی دینا اس جذبے کو تقویت دے گا۔ اس کردار کے بارے میں بھٹو اپنا دعویٰ کتنا ہی بر خود غلط کیوں نہ ہو، ایک غیر مربوط تحریک کو ایک شہید فراہم کر دیا جائے گا۔

کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا تھا اور باہر وہ تھے جو پاکستان کو اپنے دیش کا اٹوٹ انگ سمجھتے تھے، یا پھر وہ تھے جو حصولِ اقتدار کی خاطر وطن کی سلامتی کو بھی داؤ پر لگاتے رہے۔ چند بیرونی طاقتیں تھیں جو پاکستان کے اندر کٹھ پتلیوں کا تماشہ کراتی رہیں۔ ان تماشوں نے جہاں پاکستان کو دو لخت کیا وہاں کمزور بھی کر دیا۔ اس وقت پاکستان جن خطرات سے دوچار ہے پہلے کبھی نہ تھا اگر اہلِ پاکستان نے اور یہاں کے فرمانرواؤں نے ہوسِ اقتدار اور ذاتی رنجشوں سے بالاتر ہو کر ملک کو بچانے کی کوشش نہ کی تو یہ بھی تاریخ کی امانت ہو کر رہ جائے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارت کے ہندو نیتاؤں نے پاکستان کی حقیقت کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا ان کے سامنے ہمیشہ ایک ہی نصب العین رہا کہ پاکستان کو کس طرح بھارت میں ضم کیا جائے۔ یا اسے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ یہ ملک اُن کا طفیلی بن جائے۔ آنجہانی پنڈت نہرو نے مسٹر دھر کی قیادت میں ایک کمیشن ہسپانیہ بھیجا تھا تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ مسلمانوں کو ہسپانیہ کی سرزمین سے کیسے نکالا گیا تھا کمیشن نے واپسی پر ایک وضاحتی رپورٹ پیش کی جو پنڈت جی کے علاوہ دوسرے ہندو نیتاؤں نے پڑھی اور اس پر بعد میں عمل بھی ہوا۔ پنڈت نہرو نے اپنی خود نوشت DISCOVERY OF INDIA میں پیش گوئی کی تھی کہ پاکستان ۲۵ یا ۳۰ سال کے عرصہ میں ختم ہو جائے گا۔

ہندو نیتاؤں کا اکھنڈ بھارت کا خواب شاید ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ہی پورا ہو جاتا لیکن اس وقت پاکستانی عوام متحد تھے۔ اور ان کے اندر حب الوطنی کا جذبہ رواں دواں تھا اس حب الوطنی کے جذبے کو ناپید کرنے کے لئے اور باہمی رشتوں کو توڑنے کے لئے جو مشرقی اور مغربی پاکستانیوں کے درمیان تھے غیر ملکی زیرِ زمین سازشیں شروع ہو چکی تھیں۔

س: کیا آپ ان سازشوں پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟

ج: (ا) ۱۹۴۷ء میں مشرقی پاکستان میں کوئی پبلشنگ ادارہ نہ تھا۔ سکولوں اور کالجوں کی سب کتابیں بھارت (کلکتہ) سے چھپ کر آتی تھیں۔ ان کتابوں کی تحریر میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ مشرقی پاکستان کے طالب علموں کے دلوں میں مذہب اور ہم وطنوں کے لئے نفرت پیدا ہو۔ تعلیمی اداروں میں اکثریت ہندو اساتذہ کی تھی اور یہ کیفیت ۱۹۷۰ء تک رہی۔ پاکستانی محکمہ تعلیم کے افسر اس زہریلے مادے کا سدِ باب نہ کر سکے جو ہندو پروفیسر مسلمان بچوں کے دلوں میں گھول رہے تھے۔

(ب) قائدِ اعظم نے اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا۔ مشرقی پاکستان میں محبِ وطن عناصر نے اسے لبیک کہا۔ لیکن شیخ مجیب کی قیادت میں تحریک چلی، جس میں بہت سے بنگالی مارے گئے۔ یہ وہی شیخ مجیب تھے جنہوں نے نیشنل اسمبلی میں پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھنے کی مخالفت کی تھی۔ یہ وہی شیخ مجیب تھے جنہوں نے رہائی کے بعد لندن میں بیان دیا تھا کہ "میرا آزاد بنگلہ دیش کا خواب بہت پرانا تھا جو اب پورا ہوا اور میری زندگی کی یہ سب سے بڑی خواہش تھی"

(ج) اگرتلہ سازش کیس میں مجیب کا ملوث ہونا ثابت ہو چکا تھا۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ مجیب بھارت کی ایما پر مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت کرانے کی سازش میں شریک تھا۔ لیکن مغربی پاکستان کے چند نامور سیاستدان نے فیلڈ مارشل ایوب پر سیاسی دباؤ ڈال کر اسے رہا کروا دیا۔ جنرل یحییٰ کا دور آیا تو اس نے اپنی صدارتی کرسی کو مضبوط کرنے کے لئے اس کے وعدوں پر اعتبار کر لیا جنرل یحییٰ نے مجیب کو چھ نکات کی بنیاد پر الیکشن لڑنے کی کھلی چھٹی دے دی حالانکہ یہ نکات علیحدگی کا سگنل تھے۔ مجیب نے اس دوران ملک کے طوفانی دورے کئے اور اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ وہ فوجی حکومت اور مارشل لاء کے خلاف عوام کو ابھارتا رہا اور انہیں اپنے جمہوری حقوق کی بحالی کے لئے ذہنی طور پر تیار کرتا رہا۔ الیکشن کے بعد مجیب نے اپنے چہرے سے نقاب اتاری تو معاملہ جنرل یحییٰ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

مشرقی پاکستان میں جمہوریت کی خاطر عوامی جدوجہد کا آغاز تو فیلڈ مارشل ایوب خان کے دورِ حکومت میں ہی ہو گیا تھا۔ ایوب خان کے زمانہ میں ملک اگرچہ دفاعی طور پر مضبوط ہو گیا لیکن اس کی آمرانہ حکمتِ عملی نے اس کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ بی ڈی سسٹم (بنیادی جمہوریت) کے الیکشن پاکستانی غیور عوام کے لئے بہت بڑا چیلنج تھے خاص طور پر مشرقی پاکستان میں اس کے اثرات بڑے مہلک ثابت ہوئے۔ ایوب کے دورِ حکومت میں ہی بنگالیوں نے اس طرزِ حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور بی ڈی کے بہت سے چیئرمینوں اور ممبروں کو لوہے کی کیلیں گاڑ کر ہلاک کر دیا تھا۔

بات مجیب الرحمٰن کی ہو رہی تھی، بھارت نے مجیب الرحمٰن کی مکتی باہنی کو اب پوری طرح مسلح کر دیا تھا، ان کی تعداد ۷۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان کی ٹریننگ بھارت کے سرحدی علاقوں میں ہوتی۔ ان کے دلوں میں

سوشلسٹ پارٹی پشاور کے انتخابات

پارٹی سرحد کے سیکرٹری جنرل عبدالوحید ایڈووکیٹ نے کہا کہ سوشلزم پاکستان کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے سیاسی، اقتصادی، سماجی اور اخلاقی مسائل کو صرف اور صرف سوشلسٹ نظامِ معیشت کے ذریعے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ جناب عبدالوحید نے کہا کہ پاکستان کی زرعی خود کفالت، کسانوں کی خوشحالی، صنعتی ترقی اور مزدوروں کی خوشحالی کے لئے لازمی ہے کہ تمام زرعی اراضی کسانوں میں تقسیم کر دی جائے اور تمام کارخانے سماجی ملکیت بنا لیے جائیں۔ لوگوں کی خوشحالی اور ترقی کے لئے تجارت کو بھی لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے مفاد پرست طبقہ نے ملک کو بری طرح لوٹ کر تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

اجلاس سے جناب جلال خان جدون، مصطفےٰ اقبال سی ڈبلیو حبیب ظفر احمد، اکلام راہی اور دوسرے مقررین نے خطاب کیا۔ اجلاس نے متعدد قراردادیں منظور کیں، جن میں ایران کے عوام کی جدوجہد سے یکجہتی کا اظہار کیا گیا۔ افغانستان کے عوامی انقلاب کے خلاف پروپیگنڈہ کی شدید مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا کہ افغان "مہاجرین" کو واپس ان کے ملک بھیجا جائے۔ سوشلسٹ ممالک سے امداد کی جو پیشکش پاکستان کو ہوتی ہے وہ فوراً قبول کر لی جائے۔ تمام گرفتار شدہ سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے انتخابات فوراً منعقد کر اکے اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے فوجی عدالتیں اور کوڑوں کی سزا منسوخ کی جائے۔

■■

روہڑی سیمنٹ فیکٹری کے مزدوروں کو کوارٹر خالی کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے

سندھ سیمنٹ ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری اور فیڈریشن آف آل پاکستان سیمنٹ یونینز کے سینیئر نائب صدر مولا بخش نے ایک اخباری بیان میں روہڑی سیمنٹ فیکٹری کی انتظامیہ کے مزدور دشمن رویے پر شدید احتجاج کرتے ہوئے کہا ہے کہ فیکٹری انتظامیہ کی شہہ پر پاکٹ یونین بنانے کی سازش کی جا رہی ہے تاکہ مزدوروں کو آپس میں لڑایا جائے لیکن مزدور ایسی مزدور دشمن سازشوں کو ناکام بنا دیں گے۔

انہوں نے واضح کیا کہ جب سے سندھ سیمنٹ ورکرز یونین کے عہدیداروں اور کارکنوں کو انتقامی کارروائیوں اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے اس کے بعد سے انتظامیہ نے کھلم کھلا مزدور دشمن سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے، اور انتظامیہ کے ایک اہم افسر کی غنڈہ گردی سے مزدوروں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے سنگینوں کے سائے میں مزدوروں کو کام پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فیکٹری کے مزدور باشعور ہیں وہ ایسے حربوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ سینکڑوں مزدوروں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور گرفتار شدہ مزدوروں کے بیوی بچوں کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کی راشن بندی کرائی گئی ہے اور کوارٹر خالی کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ پاکٹ یونین بنانے کی کارروائی بند کی جائے۔ گرفتار شدہ مزدوروں کو رہا کیا جائے مقدمات واپس لئے جائیں۔ برطرف مزدوروں کو ان کی ملازمتوں پر فی الفور بحال کیا جائے۔ وارنٹ گرفتاری واپس لئے جائیں ان کے بیوی بچوں کی راشن بندی اور کوارٹر خالی کرانے کی سازش بند کی جائے۔ آخر میں انہوں نے ملک کی تمام فیڈریشنوں اور مزدور انجمنوں سے اپیل کی ہے کہ وہ روہڑی سیمنٹ کے مزدوروں پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کریں۔

مغربی پاکستان کی فوج اور عوام کے لئے نفرت بھری ہوئی تھی۔ یحییٰ خان نے عام معافی کا اعلان کیا تو پاکستانی بنگالیوں کے ساتھ ہندوستانی فوج کے گوریلے سادہ کپڑوں میں مشرقی پاکستان میں داخل ہو گئے اور مکتی باہنی سے آملے۔ مجیب اتنا شاطر نکلا کہ یحییٰ کو مجبور کر کے بنگال رجمنٹس کی منتقلی مشرقی پاکستان کروالی اور انہیں بھی بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اب بھارت کے ہندو نیتاؤں کا وہ خواب پورا ہوتا دکھائی دینے لگا جس کی تعبیر وہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں نہ دیکھ سکے تھے۔ فضا سازگار تھی یہ طے پایا کہ پہلے مشرقی پاکستان میں خونی فسادات کروائے جائیں۔ پاکستانی فوج اور بنگالی عوام میں لڑائی کرائی جائے۔ مکتی باہنی اور باغی گوریلے جنگ کا آغاز کریں۔ جب پاکستانی فوج تھک کر چور ہو جائے تو ہندوستانی ۹ ڈویژن فوج سامنے سے حملہ آور ہو اور ۷۰ ہزار مکتی باہنی پاکستانی فوج پر عقب سے حملہ کر دے۔ بھارتی فوج کے ایک حصے کو ڈھاکہ کے قریب روسی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اتارا جائے اور ٹینکوں کی ۴ رجمنٹس پیش قدمی میں حصہ لیں۔ جنرل فضل مقیم لکھتے ہیں کہ بھارت نے یہ پلان اگست ۱۹۷۱ء میں تیار کیا تھا۔

س: یہ لندن پلان کیا چیز تھی؟

ج: لندن پلان بھی اس سازش کا ایک حصہ تھا۔ لندن پلان سقوطِ ڈھاکہ سے بہت پہلے بن چکا تھا۔ اس سازش میں مشرقی پاکستان، صوبہ سرحد اور بلوچستان کے چند سرکردہ سیاسی لیڈر شریک تھے۔ یہ سیاسی لیڈر ہر اس آفت سے آگاہ تھے جو پاکستان پر نازل ہونے والی تھی! انہیں پتہ تھا کہ مکتی باہنی کی گوریلا جنگ کے بعد بھارتی فوج مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کرے گی۔ انہیں علم تھا کہ جنگ کے وقت پاکستان کا کوئی اتحادی مدد کو نہیں آئے گا۔ اس سازش میں چند عالمی طاقتیں برابر کی شریک تھیں بنگلہ دیش کا نقشہ بن چکا تھا۔ پاکستان کے وہ چند سیاسی رہنما جو لندن پلان میں شریک تھے، اس بات سے آگاہ تھے کہ بھارتی فوجیں مشرقی پاکستان فتح کرنے کے بعد مغربی پاکستان پر بھی یلغار کریں گی اور اگر وہاں فتحیاب ہوئیں تو پھر ان کا پختونستان اور آزاد بلوچستان کا خواب پورا ہو جائے گا۔

متعدد بنگالی افسر جو غیر ملکی سفارت خانوں میں تھے بھاگ گئے۔ کئی پاکستانی بنگالی پائیلٹ بھارت میں پناہ گزین ہوتے۔ جو جنگ کے دوران بھارتی ہوا بازوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ سیاسی خلا، حکومت کی نااہلی اور انہوں پر تشدد نے حالات اور بھی سنگین کر دیئے ان حالات سے دشمن نے فائدہ اٹھایا۔ پھر مشرقی پاکستان کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کے لئے جنرل یحییٰ اور اس کی حکومت نے چند بنگالی سیاست دانوں کا سہارا لیا، لیکن افسوس اس وقت عوام کی اکثریت ان کے ساتھ نہ تھی۔

س: جنرل یحییٰ کہتے ہیں کہ انہوں نے نیازی کو آخری وقت تک لڑنے کو کہا تھا لیکن نیازی کہتے ہیں کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا حکم بھیجا تھا۔ اس موضوع مفصل روشنی ڈالیں؟

ج: جنرل نیازی نے ایک دن انٹرویو دیتے ہوئے مجھے کہا کہ "مشرقی پاکستان کا سانحہ کبھی پیش نہ آتا اگر جنرل یحییٰ کی جگہ کوئی منجھا ہوا سیاست دان پاکستان کا سربراہ ہوتا"۔ پھر جنرل نیازی نے وہ سگنل دکھایا، جو یحییٰ خان نے اسے ڈھاکہ بھیجا تھا کہ "لڑائی اب فضول ہے اس لئے بہتر ہے کہ جنگ بند کر دو اور جانیں بچاؤ وغیرہ وغیرہ"۔ اس سگنل کی کاپی جنرل فضل مقیم کی کتاب میں بھی چھپی ہے۔

یہ حیرانی کی بات ہے کہ جب جنرل نیازی کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا تو انہیں کوئی تحریری ہدایات یا حکم نہیں دیا گیا۔ میجر جنرل فضل مقیم اپنی کتاب "تیادت کا بحران" میں لکھتے ہیں کہ "جنرل نیازی کو کوئی تحریری حکم نامہ نہیں دیا گیا"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنرل یحییٰ شروع دن سے ہی حوصلہ ہار چکا تھا اور سقوطِ ڈھاکہ سے بہت پہلے شکست کا اعتراف کئے ہوئے تھا۔ جیسا کہ حال ہی میں جب جنرل یحییٰ سے الطاف حسین قریشی نے انٹرویو کے دوران پوچھا کہ "آپ مشرقی محاذ سے کب مایوس ہو گئے تھے"۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ "پہلے ہی دن"۔ اور جب اس نے سوال کیا کہ "آپ نے سرنڈر کے احکام جاری کئے تھے" تو یحییٰ نے جواب دیا۔ "معصوم انسانی جانیں بچانے کی خاطر میں نے جنگ بند کرنے کا حکم دیا تھا"۔

میجر جنرل فضل مقیم لکھتے ہیں۔ "جی ایچ کیو میں مشرقی پاکستان کے متعلق جو منصوبے تیار ہوتے وہ صرف یہ تھے کہ بنگالی عوام کو کیسے راضی کیا جائے اور سرحدوں پر ان گوریلوں کی کیسے روک تھام کی جائے جو بھارت میں زیر تربیت تھے لیکن کوئی ایسا منصوبہ نہ تھا کہ اگر

بھارت حملہ آور ہو جائے تو پھر کس طرح مقابلہ کیا جائے"۔

میجر جنرل فضل مقیم لکھتے ہیں" عوام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے، نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لئے اور گوریلوں کی روک تھام کے لئے فوج کو ملک کے حصوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ سپاہ کو بکھرنا پڑتا ہے لیکن کسی ملک کی حملہ آور فوج کو روکنے کے لئے اپنی فوج کو چند خاص مقامات پر جمع کرنا پڑتا ہے۔ ایسی جگہیں جہاں دشمن کمزور ہو۔ لیکن ایسا کوئی منصوبہ نہ بنایا گیا"۔

بریگیڈیئر امجد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں" جنرل نیازی کو جانے سے پہلے ہدایت کرنی چاہیئے تھی کہ مشرقی پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کرو جتنی دیر تک کر سکتے ہو۔ دشمن پر جتنا دباؤ ڈال سکتے ہو، ڈالے رکھو تا کہ ڈھاکہ کی طرف اپنی فوج پسپا ہو کر اکٹھی ہو جائے، اور مورچہ بندی کر لے اور ڈھاکہ کو ہر صورت میں بچایا جائے"۔ اگر یہ صورتحال بن جاتی تو اس سے دشمن کا بھی نقصان ہوتا اور تاریخ پاکستانی قوم کا وقار مجروح نہ ہوتا۔ لیکن یحییٰ کی بزدلی، جنرل نیازی کی بے حسی اور ان کے اسٹاف کی نااہلی نے فوج کو کچھ کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اور اس کو پابہ زنجیر کر کے دشمن کے حوالے کر دیا گیا۔

فاتح چونڈا بریگیڈیئر امجد چوہدری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں"۔ اگر یحییٰ کو وقت کی ضرورت تھی تا کہ وہ یہ معاملہ مشرقی پاکستان میں شکست سے پہلے سیکورٹی کونسل میں پیش کر سکیں تو پھر انہیں جنرل نیازی کو صاف لفظوں میں حکم نامہ بھیجنا چاہیئے تھا کہ اس دن اور اس وقت تک دشمن سے نبرد آزما رہو اور میرے دوسرے حکم تک لڑائی جاری رکھو۔ اگر ہمارے فوجیوں کو ایسا حکم بھیجا جاتا تو یہ کبھی ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ دشمن کا مردانہ وار مقابلہ نہ کرتے کیونکہ یہی وہ پاکستانی جوان تھے جنہوں نے ۶۵ء کی جنگ میں بھارتی فوجیوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ پاکستانی سپاہ کو یہ پیغام بھیجا گیا کہ جنگ بند کر دو اور جانیں بچاؤ۔ اس سگنل کا متن درج ذیل ہے۔

" تم نے مشکلات کا مقابلہ بڑی بہادری سے کیا ہے۔ قوم تم پر فخر کرتی ہے اور دنیا والے تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ میں نے اس معاملہ کو سلجھانے کی پوری کوشش کی۔ اب تم ایک ایسی سٹیج پہ پہنچ چکے ہو جہاں مزید لڑائی فضول ہے نہ ہی اس کا کچھ فائدہ ہوگا۔ اس سے جانوں کا نقصان ہوگا اور تباہی ہوگی۔ تمہیں جنگ بند کرنے کے لئے ہر قدم اٹھانا چاہیئے اور فوجیوں کی جانوں کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ وہ تمام جو مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔

جنگ جاری ہو اور کمانڈر انچیف حکم دے کر مدافعت بند کر دو۔ جانیں بچاؤ۔ لڑائی فضول ہے، تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی جنرل نیازی کے پاس اتنی فوج۔ گوریلا فورس اور مجاہدین موجود تھے کہ وہ ۳ ماہ تک جنگ جاری رکھ سکتے تھے۔ دفاعی جنگ کو طول دیا جاتا تو سیکورٹی کونسل میں فیصلہ شاید حق میں ہوتا۔ عین ممکن تھا کہ چین مداخلت کرتا۔ سابق صدر نکسن نے بھی جلد ہتھیار پھینکنے پر اپنی کتاب میں افسوس کا اظہار کیا ہے۔

جنرل یحییٰ کو جنگ کا خاص تجربہ نہ تھا لیکن میں جنرل نیازی کے اسٹاف پر رہا ہوں۔ جب وہ مشرقی پاکستان گئے تو ہماری امیدیں ان کے ساتھ وابستہ تھیں۔ دوسری جنگ عظیم میں وہ برما کے جنگلوں میں لڑے تھے۔ ایک جگہ اپنی کمپنی کے ساتھ جاپانیوں کے مورچوں پر حملہ کیا تو چند ایک کے سوا ساری کمپنی کا صفایا ہو گیا۔ شکست کھائی لیکن انگریز نے اسے ملٹری کراس سے نوازا اور وہیں سے انہیں ٹائیگر کا خطاب ملا۔ مشرقی پاکستان تو اپنا ملک تھا۔ قوم، ملک اور عزت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ فوج کے علاوہ گوریلا اور مجاہدین کی ایک کثیر تعداد ان کے ماتحت تھی۔ ساری دنیا کی نظریں اس خطے میں ہمارے کردار پر جمی ہوئی تھیں۔ مقابلہ کیا ہوتا۔ برما کی طرح خون بہتا۔ خون بہایا جاتا۔ ڈھاکہ کے گلی کوچوں میں جنگ ہوتی۔ شہیدوں کا خون اس بدنما دھبے کو دھو ڈالتا جو قوم کے ماتھے پر لگ گیا۔ قوم سر آنکھوں پر بٹھاتی بے شک سینکڑوں مجاہد اس جنگ میں کام آجاتے لیکن افسوس ایسا نہ ہوا۔ جنرل یحییٰ۔ جنرل حمید۔ جنرل پیرزادہ اور جنرل مٹھا نے وقت سے بہت پہلے شکست کا اعتراف کر لیا تھا اور نیازی حوصلہ ہار گئے۔

ان تلخ حقائق اور تجربات سے چند تاریخی سبق ملتے ہیں۔ وہ یہ کہ عوام ایک بہت بڑی طاقت ہے اور بغیر ان سے مفاہمت اور ان کی اعانت کے کوئی جنگ جیتی نہیں جا سکتی۔ دوسرا یہ کہ دشمن کے زہریلے پراپیگنڈہ کا بروقت سدباب اشد ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ جو قوم غدار کو سزا نہیں دیتی بلکہ اسے معاف کر کے تخت کی پیشکش کرتی ہے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ چوتھا کہ دفاع کی خاطر اپنے بازوؤں پر انحصار کرنے کی بجائے دوسرے ممالک پر بھروسہ کرنے والی قومیں اپنی آزادی اور خود مختاری کھو بیٹھتی ہیں۔ آخری یہ کہ سیاسی بصیرت سے مفلوج اور عیش پرست فرمانروا قوموں کو لے ڈوبتے ہیں۔

★

پانچ سال سے

یونیفارم نہیں دی گئی

۲۷ جنوری کو مزدوروں نے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جس میں لوکو شیڈ کیرج ڈپو اور الیکٹریکل سٹاف کی بھاری تعداد نے شرکت کی۔ یہ احتجاجی مظاہرہ مزدوروں نے اپنے وقفہ کی چھٹی کے دوران کیا۔

احتجاجی مزدوروں سے خطاب کرتے ہوئے ریلوے ورکرز یونین کے جنرل سیکرٹری اور آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے سینئر نائب صدر سید نادر شاہ بخاری نے کہا کہ مزدوروں کے مسائل فوری طور پر حل کئے جائیں انہوں نے کہا واشنگ لائن پر کام کرنے والے مزدوروں سے اس شدید سردی کے دوران گاڑیوں کی دھلائی کا کام لیا جاتا ہے، جب کہ واشنگ لائن پر انگیٹھیوں میں کوئلہ مہیا نہیں کیا جاتا، مطالبہ کیا گیا کہ واشنگ لائن پر فوری طور پر کوئلہ مہیا کیا جائے۔

ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ ڈی۔ای۔ ایف۔او مرزا محمد افضل کو فوری طور سے کوئٹہ سے تبدیل کیا جائے۔ ریلوے کالونی میں صفائی کا بندوبست کیا جائے اور بلوچستان کے حکام سے اپیل کی گئی کہ وہ ریلوے کالونی کا معائنہ کریں کیونکہ ریلوے کالونی میں نہ تو صفائی کا کوئی بندوبست ہے اور نہ ہی سٹریٹ لائٹ ہے۔ کالونی میں ناجائز اور غیر متعلقہ اشخاص کے کوارٹروں پر قابضین کے خلاف کارروائی کی جائے اور ان سے ریلوے کوارٹر خالی کرا کر ملازمین کو دیئے جائیں۔ تمام ملازمین کو فوری طور پر وردی سپلائی کی جائے جو کہ عرصہ ۵ سال سے رکی ہوئی ہے۔ لوکو رننگ اسٹاف کو کنفرمیشن لیٹر دیا جائے

انکشافات ہی انکشافات

سچ نما

***

حاجی عدیل

اس ہفتے تو لندن چلیے۔

بی بی سی کے نمائندے سے ہمارے غیر منتخب صدر کی دھواں دھار گفتگو کو موضوع بنانے کا ارادہ ہے۔ گفتگو تو ہمارے خیال میں ہر باشعور شہری نے سنی اور پڑھی ہوگی۔ اس گفتگو میں بی بی سی کے نمائندے ڈیوڈ ڈولمکیس نے جنرل ضیاء کو کچھ انکشافات کرنے پر یا تو مجبور کیا یا جنرل صاحب خود موقع کی تلاش میں تھے کہ کوئی ان سے پوچھے اور وہ اپنے دل کی بات تلخ ترین لہجے میں بیان کر کے سکون قلب حاصل کریں۔

صاحبو!

جنرل صاحب نے انکشاف کیا کہ "کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہے"۔

بالکل صحیح ہے۔ سوائے مارشل لاء کے۔ اس لئے کہ مارشل لاء قانون فطرت کے خلاف ایک شے ہے اور کسی خلاف قانون شے پر قانون کا اطلاق نہیں ہوتا۔

جنرل صاحب نے انکشاف کیا کہ جو چیز قانون کے حق میں بہتر ہوگی وہ پاکستان کے حق میں بہتر ہوگی۔

بالکل درست ـــ مارشل لاء چونکہ قانون کی حکمرانی کے سلسلے میں ایک احتیاطی تدبیر ہے۔ اس لئے لازمی طور پر پاکستان کے لئے ہمیشہ ناگزیر رہا ہے جب ہی تو ہماری یہ بہترین روایت رہی کہ ابھرتی ہوئی جمہوری طاقتوں کے مقابل ہم نے پُرامن فوجی انقلابات کے حصار تعمیر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں جنرل محمد ایوب خان وہ پہلے جنرل تھے جنہوں نے پاکستان کو جمہوریت کی لاقانونیت سے نجات دلانے کے لئے پورے ملک میں پُرامن فوجی انقلاب کی روایت کو جنم دیا اور اب ہم اس روایت کو اپنے سینوں سے لگائے بین الاقوامی جمہوری فضاؤں میں سینہ تانے سبز رو گردش کرتے ہوئے سرخ رو جمہوریت پسند عوام کو منہ چڑا کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے ہیں۔

جنرل صاحب نے انکشاف کیا کہ بھٹو صاحب نے ایک طویل عرصہ پاکستان میں اچھے ڈھنگ سے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

ممکن ہے یہ انکشاف درست اور صحیح ہو۔ لیکن اس میں یہ قباحت ہے کہ اگر بھٹو صاحب نے اچھے ڈھنگ سے نمایاں خدمات انجام دی ہیں تو پھر جنرل صاحب کی طرف سے جاری ہونے والے وائٹ پیپر یعنی قرطاس ابیض کو کس بے ڈھنگے فرد کے کھاتے میں ڈالا جائے اور جنرل صاحب کو اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ڈھنگ کے حاکم کے خلاف بے ڈھنگ وائٹ پیپر کیا جھوٹ کے پلندے ہیں اگر ایسا ہے تو جنرل صاحب انہیں داخل دفتر کیجئے یا پھر اپنے اس جملے کی فوراً تردید کیجئے کہ "بھٹو صاحب نے ایک طویل عرصے پاکستان میں اچھے ڈھنگ سے اور نمایاں خدمات انجام دی ہیں"۔ جلدی کیجئے دیر کرنا نقصان دہ ہے۔

جنرل صاحب نے انکشاف کیا کہ رحم کی اپیلوں سے میں متاثر نہیں ہوا اور یہ کہ یہ سیاست دانوں کی ٹریڈ یونین ہے جو اپنے ایک ساتھی سیاستدان کی جاں بخشی کے لئے کہہ رہی ہے یعنی جنرل صاحب نے اس جملے میں یہ واضح کر دیا کہ عالمی سطح پر جمہوری، سوشلسٹ اور اسلامی جمہوری ممالک کے سیاسی سربراہوں اور سیاسی رہنماؤں نے اپنی ایک ٹریڈ یونین تشکیل دے لی ہے اور اپنے ساتھی سیاست داں کی جاں بخشی کے لئے اپیلیں کر رہے ہیں ـــ چلیے صاحب یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ٹریڈ یونین سرگرمی نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالمی سطح پر بھی ہمارے جنرل صاحب کو قطعی گوارا نہیں اگر عالمی سیاستدانوں اور سربراہان ممالک کو اس کا علم ہوتا تو وہ جنرل صاحب کو "متاثر" کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ہمارے خیال میں جنرل صاحب کے ٹریڈ یونین ازم والے جملے میں یہ مثبت پہلو بھی ہے کہ انہوں نے ہمارے ملک کے ٹریڈ یونینسٹوں کو عالمی سربراہوں اور سیاست دانوں کے برابر کھڑا کر دیا اور اس کا بھی انکشاف فرما دیا کہ کسی قسم کی ٹریڈ یونین سرگرمی انہیں متاثر نہیں کر سکتی۔ اس لئے اے ٹریڈ یونینسٹو! اپنی قانون کے دائرے میں محدود سرگرمیوں کو بھی لگام دو ورنہ انجام کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اور سنیئے "احتیاط علاج سے بہتر ہوتی ہے"۔

جنرل صاحب نے انکشاف کیا ہے کہ نصرت بھٹو، بے نظیر بھٹو اور پورا بھٹو خاندان تشدد پسند ہے۔

بالکل درست ـــ تشدد پسندوں کو باہر رکھنا امن وامان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ پاکستان کے سارے عوام تو قومی اتحاد کے نام لیوا اور اس کے حصار میں بند ہیں پھر نصرت بھٹو اور بے نظیر امن وامان کا کیا بگاڑیں گی۔ امن وامان کو تہہ و بالا تو عوام کرتے ہیں اور عوام نسنی محمود جماعت اسلامی کے سرخیلوں، نواب زادہ، پیر پگارا، چوہدری ظہور الٰہی اور اس قبیل کے سیاسی لال بجھکڑوں کے ارد گرد حلقہ ڈالے محو رقص ہیں اور کسی وقت بھی عوام کا یہ خیالی جم غفیر اقتدار کی دیواروں پر اپنے پختہ سروں سے ٹکریں مار سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں تو امن و امان کو زیادہ خطرہ عوام کے محبوب سیاسی لال بجھکڑوں سے ہے اور انہیں پہلی فرصت میں نظر بند کر دینا چاہیئے۔ مبادا کہیں کوئی ایسا ولیا نہ ہو جائے۔

جنرل صاحب نے یہ انکشاف بھی فرمایا کہ بھٹو صاحب کی گردن ضیاء الحق صاحب کی گردن، پنجابی جج، غیر پنجابی جج یہ محض جرح (کٹ حجتی) کی باتیں ہیں۔

بجا فرمایا۔ کٹ حجتی پر توجہ صرف کرنا بیکار ہے۔ فیصلہ متفقہ ہو یا اکثریتی۔ فیصلہ تو ہے۔ اس سلسلے میں اگر عدلیہ کی روایتوں کی طرف رجوع کرنے کا مسئلہ اٹھایا جائے تو وہ محض اپنی قانون دانی یا علمیت لگارنے والی بات ہے چونکہ ہمارے ملک میں اکثریت دال لگانے پر اکتفا کرتی ہے اس لئے علمیت اور قانون دانی کا مسئلہ ہی نہیں اٹھ سکتا۔

صاحبو! بھٹو صاحب کی نظر ثانی کی درخواست کن مراحل سے گزرتی ہے اور پھر کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اس پر کیا لکھا جا سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ جو کچھ ہوگا سامنے آئے گا۔ بہر حال جماعت اسلامی کے آرگن روزنامے کے اداریہ نویس نے آج اپنے اداریئے میں بھی حکومت کو لائن دی ہے کہ اپیلوں وغیرہ پر بھٹو صاحب کی رہائی کا مطلب ظلم کی پذیرائی، تائید اور مظلوموں کی حمایت، قیام، عدل اور حفظ جان کے فرض سے سنگدلانہ بے اعتنائی کے مترادف ہوگا۔ کیوں کیسی رہی اے "لائن مینو" تمہارا جواب نہیں۔ شیطان تمہیں خوش رکھے۔

صاحبو! اس سے قبل کہ ہم اپنے قلم کو کان پر رکھ لیں۔ یہ عرض کریں کہ آج جماعت کے آرگن روزنامے کے اداریہ نویس نے افغانستان میں ہونے والی مفروضہ خونریزی پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے اظہار رائے کی موجود آزادی کے پرخچے تار تار کر کے لکھا کہ افغانستان میں ہونے والی خونریزی پر حکومت پاکستان نے "مجرمانہ" (زور مجرمانہ پر ہے) خاموشی محض اس لئے اختیار کی ہے کہ مبادا افغانستان اسے داخلی معاملات میں مداخلت سمجھے ـــ خوب بہت خوب۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

جتنی خوشامد ہو گی اتنا ہی ظلم ہو گا

جو شخص مجھ سے کہتا ہے:

"جس طرح میں خدا پر یقین رکھتا ہوں اسی طرح تمہارا بھی کامل ایمان ہونا چاہیئے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم کا ایندھن بنائے گا۔"

وہی شخص پھر مجھ سے کہے گا:

"جس طرح میں خدا پر یقین رکھتا ہوں اسی طرح تمہارا بھی کامل ایمان ہونا چاہیئے۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

—— والٹیئر

کتاب "سو بڑے مفکر" سے ایک اقتباس

سہانے مستقبل کے محض خواب ہی دیکھتے رہے

ظفر قریشی

اللہ تعالیٰ ہمیشہ بڑی بٹالینوں کا ساتھ دیتا ہے، والٹیئر

ہر ہفتے کتابوں کے حوالے سے بات کرنے سے گفتگو خشک اور بے لطف ہو جاتی ہے۔ کرم فرماؤں کا خیال ہے کہ کبھی کبھی کچھ کتابوں سے نکل کر بھی بات ہونی چاہیئے۔ ہر چند کہ اس میں خطرات زیادہ ہیں لیکن مشورہ دلچسپ ہے اور وہ ضروری ترغیب فراہم کرتا ہے جس کے تحت ہم انحرافات شروع کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قارئین کرام، آپ سے سوال یہ ہے کہ آپ نے کبھی سوچا کہ آخر ہم پر پے بعد دیگرے اور اتنی سرعت کے ساتھ اتنی آفتیں کیوں ٹوٹتی ہیں؟ اگر نہیں سوچا تو سوچنے کی کوشش کیجئے۔ اپنے مفادات سے بالاتر ہو کر، علاقائی تعصبات سے الگ ہو کر سوچئے۔ ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم کی وفات کے بعد سے اس ملک میں چند مخصوص طبقے، چند مخصوص طاقتوں کے اشاروں پر کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ عوام کو کس طرح بے وقوف بنایا گیا؟ آئین اور قانون کی حکمرانی کیوں قائم نہیں ہونے دی گئی۔ انتخابات کی راہ میں کس قسم کے عناصر حائل رہے ہیں؟ وغیرہ۔ جواب مل جائے تو خوش ہو کر بغلیں بجانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سے صورتحال میں کوئی فرق نہیں پڑیگا۔

۱۹۷۰ء میں جو گردن زدنی اقتدار میں آیا تھا اس نے ایک پسپا لیکن برتری فرضوں کی غلام قوم کو سر اٹھا کر چلنے کا سلیقہ سکھایا تھا اس نے عوام کے مختلف طبقات کو اپنے گرد اکٹھا کرنے کے لئے چار نعرے دیئے تھے جن کا تعلق جمہوریت، مذہب، معیشت اور عوام سے تھا۔ ذکر اس کی کامیابی یا ناکامی کا نہیں، ذکر اس بات کا ہے کہ عوام کے مسائل، غربت، افلاس، بے روزگاری، جہالت، بیماری، گرانی دور کرنے کے عزم کا کھل کر اظہار اس ملک کی تاریخ میں پہلی بار کیا گیا۔ جمہوریت کو بڑے بڑے ڈرائنگ روموں سے نکال کر میدانوں میں لایا گیا، عوام کی قوت تسلیم کی گئی اور معیشت کو جدید خطوط پر استوار کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن گڑبڑ وہاں سے شروع ہوتی ہے جب گردن زدنی مذکور خود اپنے چار نعروں میں سے عوام سے متعلق نعرے سے بے اعتنائی برتنے لگتا ہے۔ معیشت سے متعلق نعرے کو ترک کر دیتا ہے، جمہوریت کو سیاست کی بنیاد بنانے کے باوجود ریاستی مشینری کو مضبوط کرتا ہے اور صرف ایک نعرے کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک نعرے کو اقتدار کی سرپرستی حاصل ہو جائے تو محدود اقلیت بھی شیر ہو جاتی ہے اور یونہی ہوا۔ اب آپ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ایک نعرہ ہی ہر قسم کے عناصر کو یکجا کرنے کے لئے استعمال ہو رہا ہے لیکن آپ اور ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ اس غبارے میں ہوا بھرنے کا عمل اس کے پھٹنے پر ہی منتج ہو گا۔ منطقی اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو اس سے قبل میانہ روی اختیار کئے جانے کا کوئی امکان نہیں اور اس عرصے میں فلاح کی راہ یہی ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک مذہبی جماعت کے سربراہ کی اولاد ایک گرامر اسکول میں پڑھتی ہے کسی مسجد کے حجرے میں نہیں پڑھتی۔ ایک مذہبی جماعت کا بانی اپنے اشاعتی ادارے کے لئے ہم ایفید شرح سود پر (جو اسلام میں حرام ہے) اپنا ڈھائی لاکھ روپے کا بیلنس اکاؤنٹ اور اشاعتی ادارے کے ساڑھے تین لاکھ روپے کے اثاثے ظاہر کر کے ایک لاکھ روپیہ قرض وصول کرتا ہے اور ایک مذہبی جماعت کا سربراہ، اپنے قول و فعل کے تضاد کو سیاسی حکمت عملی قرار دیتا ہے۔ خاموشی اختیار کی جائے اور تماشا دیکھا جائے۔ محض ایک ستون پر سیاسی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش جب انہیں چاروں شانے چت گرائے گی، تب انہیں بھی احساس ہو گا کہ سیاست میں جس لچک کی ضرورت ہوتی ہے وہ اگر خود کو اس کے مطابق بنائیں گے تو نہ ادھر کے رہیں گے اور نہ ادھر کے۔ مغرب نے یہ تجربہ برسوں قبل کر لیا تھا اور اس میں واضح طور پر ناکام ہونے کے بعد دو علیحدہ علیحدہ خانے بنا دیئے تھے۔ اسی تقسیم کے نتیجے میں فلاحی ریاست کا تصور عمل میں آیا تھا اور عام آدمی کو جرنیل کے تابع رکھنے کے بجائے اس میں قوم پرستی کا جذبہ پیدا کیا گیا تھا اور کھوکھلے نعروں کی جگہ ٹھوس معاشی حکمت عملی اختیار کی گئی تھی۔

مگر ہمارے ساتھ دشواری یہ ہے کہ ہم موقع محل کی نزاکتوں کو سمجھنے کی یا تو اہلیت نہیں رکھتے اور یا اہلیت رکھتے بھی ہیں تو ذاتی مفادات کے آگے ہر معاملے کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے ایک ملک کے سربراہ کو جب ایک نہایت غیر مدبرانہ خط لکھا تھا تو اس وقت کتنے اخبارات، رسائل یا جرائد ایسے تھے جنہوں نے اسے اس موقع پر ٹوکا تھا؟ سب واہ واہ کر رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کسی قسم کا مشورہ یا تنقید اخبار، رسالے یا جریدے کو بند کرا دے گی اور اخبار، رسالے یا جریدے کے ایڈیٹر کو، اگر وہ مل گیا تو جیل میں ڈال دیا جائے گا اور نہ ملا تو پولیس کے ذریعے اس کے بیوی بچوں کی بے حرمتی کرائی جائے گی۔ سرکاری مشینری کی قوت جب بے لاگ رائے کا اظہار کرنے والوں کے خلاف استعمال کی جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں حکمراں کے ہر فعل کی تعریف ہونے لگتی ہے۔ لوگ سچ بول کر اپنے آپ کو اور اپنے پیاروں کو مشکلات میں گرفتار کرانے کی بجائے خوشامد کا راستہ اپنا لیتے ہیں اور جب بڑے پیمانے پر خوشامد شروع ہو جاتی ہے تو اسی تناسب سے ظلم و استبداد کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔ سرکاری فیصلوں میں بھیانک غلطیاں ہوتی ہیں اور کوئی ٹوکنے اور مشورہ دینے والا باقی نہیں رہتا۔ رہ گئی نتائج کی بات تو حکمرانوں کی عاقبت نااندیشیوں کی سزا عوام کو ملتی ہے جو پھر کسی نئے مسیحا کے خیر مقدم کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ایک غلط فیصلہ دوسرے غلط فیصلے کی طرف اور دوسرا تیسرے کی طرف جاتا ہے اور

قوم ان غلطیوں کے جال میں پھنستی چلی جاتی ہے۔ اس جال سے نکلنے کے لئے جب اس میں بے چینی پیدا ہوتی ہے تو ہنگامے جنم لیتے ہیں، ایک گروہ خس و خاشاک کی طرح عوام کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے اور دوسرا گروہ نئے نعروں اور وعدوں سے لیس ہو کر وہی عمل دہرانے کے لئے آجاتا ہے۔ بوتلیں نئی ہوتی ہیں، شراب پرانی یا اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ چند نئے حربے آزمائے جاتے ہیں۔

مشہور کتاب DEBT TRAP کے مطابق یہ سب کچھ عالمی مالیاتی فنڈ کی حکمت عملی کا ایک حصہ ہے۔ مثلاً آپ کو یاد ہوگا کہ ایوب خان کے دور میں ملک کو صنعتی بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ بیرونی ممالک سے دھڑا دھڑ قرضہ حاصل کیا جا رہا تھا اور مضبوط مرکز کے انتظام میں عام آدمی کا معیار زندگی بلند کرنے کے دعوے کئے جا رہے تھے۔ یہ علت صرف پاکستان میں نہیں تھا تیسری دنیا کے بیشتر ممالک اس کی لپیٹ میں تھے اور خوشی خوشی بیرونی قرضوں سے اشیائے صرف کے کارخانے لگا رہے تھے واضح رہے کہ بیرونی قرضے بھاری اور بنیادی صنعتوں کے قیام کے لئے نہیں تھے کیونکہ یہ چیزیں تو بہر حال قرضہ دینے والے ممالک فراہم کرتے تھے۔ ہمارے اور تیسری دنیا کے آجروں اور صنعتکاروں نے جو بنیادی طور پر تاجر تھے، ان قرضوں سے خوب خوب جائز و ناجائز فائدہ اٹھایا اور منافع بیرونی ملک منتقل کرتے رہے، جب ان قرضوں کی واپسی کا وقت آیا تو اپنے کارخانوں کو "بیمار" قرار دے دیا۔ یہ صورتحال عالمی مالیاتی فنڈ کے لئے قابل قبول نہیں تھی، چنانچہ اس نے قرضوں کی واپسی کو یقینی بنانے کے لئے ایک نئی حکمت عملی تیار کی جس کے مطابق ہم نے دیکھا کہ ۱۹۷۱ء کے بعد تیسری دنیا میں بھاری صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا سلسلہ شروع ہوا جو تھا تو عوام کی فلاح و بہبود کے نام پر، لیکن اس کا اصل مقصد ریاستی مشینری کی سب سے منظم قوت کی قومی تحویل میں لئے جانے والے اداروں کی ریاستی اجارہ داری پر بالادستی قائم کرنا اور قرضوں کی بہر صورت واپسی کی ضمانت حاصل کرنا تھا۔ اس لئے محترم قارئین، اگر قومی تحویل میں لئے گئے اداروں کی طرف سے اچانک بناسپتی گھی کی قیمت میں اضافے اور سیمنٹ وغیرہ کے دام چڑھانے کے بارے میں جو اعلانات ہوتے ہیں وہ بے وجہ نہیں۔ پہلے کی حکمت عملی کے مطابق، نجی شعبہ بے مہار تھا اب نجی شعبہ بھی ہے اور اس کا مقابلہ کرنے والا سرکاری شعبہ بھی۔ نجی شعبہ کھیلے کرتا ہے تو سرکاری شعبہ اس کے کان اینٹھنے کے لئے موجود ہے اور دوسری طرف سرکاری شعبے کی صنعتیں مؤثر طریقے پر کام نہیں کرتیں تو انہیں نجی شعبے کے ہاتھوں اونے پونے فروخت کا فائدہ بخش امکان رہتا ہے لیکن ہر دو صورتوں میں تیسری دنیا کے بیشتر ممالک میں قرضے کی ادائیگی کا ضامن وہ منظم اور مؤثر ادارہ بنایا گیا ہے، جسے عرف عام میں دفاع کا محکمہ کہا جاتا ہے۔

بات کہاں سے چلی تھی اور کہاں پہنچ گئی۔ بہرحال محترم قارئین کو مژدہ ہو کہ وہ اچھے مستقبل کے محض سہانے خواب ہی دیکھتے رہیں گے کیونکہ سیاسی مقامات آہ و فغاں اور بھی آئیں گے اور اس وقت تک آتے رہیں گے جب تک ہم میں من حیث القوم حب الوطنی کا اتنا جذبہ پیدا نہ ہو جائے کہ ہم اپنی مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں کو ان کی غلطیوں پر ٹوک سکیں، سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو ڈرائنگ روم کی سیاست لڑانے سے روک سکیں اور ان کے قول و فعل پر انہیں پرکھ سکیں۔ جب تک ہم میں قومی سطح پر یہ اہلیت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ہمیں طالع آزماؤں کے ایک گروہ کے بعد دوسرے گروہ سے واسطہ پڑتا رہے گا اور کہنے کو تو حکومت ان کی ہوگی لیکن وہ آئی ایم الیف کے محض کٹھ پتلی ہوں گے۔ وہ فرانس کے مشہور فلسفی والٹیئر کے الفاظ میں کہیں گے۔

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ بڑی بٹالینوں کا ساتھ دیتا ہے"۔ ●

سندھ این ایس ایف کراچی کے انتخابات

یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم مفت دی جائے

سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی شاخ کے کارکنوں کا ایک انتخابی اجلاس فیڈریشن کے مرکزی رہنما لطیف پیرزادہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں کارکنوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اجلاس میں سالِ رواں کے لئے ایس این ایس ایف کراچی شاخ کے نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا شہباز اقبال صدر اور غلام اکبر جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے جب کہ نائب صدر کے لئے آصف رضوی اور غلام جعفر اور جوائنٹ سکریٹری کے لئے خورشید تنویر اور سیف الاسلام اور پبلی کیشن سکریٹری کے لئے رشید ابراہیم کا انتخاب عمل میں آیا۔

انتخابات کے بعد لطیف پیرزادہ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نئے عہدیداروں کو مبارک باد دی اور یقین ظاہر کیا کہ نو منتخب عہدیداروں کی قیادت میں کراچی کے اندر ایس این ایس ایف کی تنظیم سازی کو مزید آگے بڑھایا جائے گا۔ انہوں نے کارکنوں پر زور دیا کہ تعلیمی مسائل کے حل کے لئے ہر سطح تک بالکل مفت تعلیم کے حصول کے لئے سائنسی نظامِ تعلیم کے قیام کے لئے اور ملک میں جمہوری اقدار کی بحالی کے لئے اپنی جدوجہد کو مزید تیز تر کریں تاکہ ملک کے اندر ہر قسم کے استحصال سے پاک خوشحال معاشرے کی تعمیر میں مدد مل سکے۔ اجلاس سے نو منتخب عہدیداروں نے خطاب کرتے ہوئے فیڈریشن کے مقاصد کو آگے بڑھانے کا عہد کیا۔

اجلاس میں مختلف قراردادیں بھی منظور کی گئیں، ایک قرارداد میں روہڑی سیمنٹ فیکٹری میں مزدوروں، عورتوں اور بچوں پر پولیس کے وحشیانہ لاٹھی چارج کی شدید مذمت کی گئی اور کہا گیا ہے کہ ظلم کی داستانیں ریڈیو اور ٹی وی پر سنانے والے روہڑی کے مزدوروں پر ڈھائے جانے والے ان ظلم کی داستانوں کو بھی نشر کریں۔ قرارداد میں روہڑی کے مزدور رہنماؤں کی سزاؤں پر بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ روہڑی کے تمام مزدوروں کو رہا کیا جائے اور ان کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ ایک اور قرارداد میں محنت کشوں اور نوجوانوں کے رہنما جام ساقی کو ہائی کورٹ کے واضح حکم کے باوجود پولیس کی جانب سے ہائی کورٹ میں پیش نہ کرنے پر شدید تشویش کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ جام ساقی کو ہائی کورٹ میں پیش کیا جائے اور ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ دیگر قراردادوں میں خواتین یونیورسٹی کے قیام کے فیصلے کی منسوخی، سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے مرکزی صدر نذیر عباسی اور سرفراز میمن کے وارنٹ کی منسوخی، افراسیاب خٹک، اورنگ زیب کانسی، محمد خان مینگل، ساغر میمو، علی حیدر شاہ اور دیگر افراد کو رہا کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ ●

معین باری

میجر معین باری (RETD) قائداعظم کے ذاتی محافظ رہے اور ۴۷ ۱۹ء میں تحریکِ پاکستان کے دوران انگریز کی قید میں رہے۔ معین باری کے مضامین جو تاریخ اور آثارِ قدیمہ پر ہوتے، پاکستان ٹائمز اور ڈان کے سنڈے ایڈیشن میں چھپتے رہے۔ میجر باری چند کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں دارا شکوہ، سندھ کے فقرا، سرزمین سندھ اور چلیانوالہ مشہور ہیں۔ چلیانوالہ کی کتاب پر بھارت کے اخبارات میں کافی تبصرے چھپتے رہے۔ فوج کی ملازمت کے دوران وہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سیالکوٹ محاذ پر تھے اور بعد میں پاکستان آرمی جرنل کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سیاسی زندگی میں آئے اور جبڑانوالہ حلقہ سے نیشنل اسمبلی سیٹ پر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ حال ہی میں ان سے سقوطِ مشرقی پاکستان اور موجودہ صورتِ حال کے متعلق گفتگو ہوئی۔ میجر صاحب نے اس گفتگو میں سقوطِ مشرقی پاکستان کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کی ذمہ داری

یحییٰ کی بزدلی اور نیازی کی بے حسی پر ہے

پاکستانی فوج تین ماہ تک جنگ جاری رکھ سکتی تھی

س: آپ قائداعظم کے ذاتی محافظ رہے ہیں۔ کیا ان دنوں کی کوئی بات بتا سکتے ہیں جس نے آپ کو متاثر کیا ہو۔

ج: صاحب یہ ان دنوں کی بات ہے جب قائداعظم پر ایک خاکسار نے حملہ کیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہر وقت ان کے ساتھ مسلح محافظ رہا کرتے تھے۔ میری عمر اگرچہ کم تھی لیکن میرے والد میاں عبدالباری مرحوم قائداعظم کے دوست تھے ان کی سفارش سے مجھے قائد کا محافظ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مجھے یاد ہے ایک رات میری ڈیوٹی تھی اور ڈیوٹی کے دوران مجھے نیند آگئی۔ قائد پلنگ پر سو رہے تھے اور میں پاس ہی قالین پر سو گیا۔ قائد رات کے وقت اٹھ بیٹھتے تھے شاید بے خوابی کی شکایت تھی اٹھے، دیکھا تو میں وردی پہنے تلوار لگائے قالین پر سو رہا تھا مجھے جگایا اور غصے ہونے لگے کہ میں زمین پر کیوں سویا پڑا ہوں میں بجائے اس کے کہ کوئی جواب دیتا، ڈر کے مارے بھاگ گیا۔

ایک دن برآمدے میں کھڑا تھا اور قائداعظم اندر اخبار پڑھ رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت سر سکندر حیات مرحوم کی کار آکر رکی، وہ شیروانی اور ترکی ٹوپی پہنے ہوتے تھے اصل میں وہ قائداعظم سے مصالحت چاہتے تھے۔ انہوں نے ہمارے سالار کے ذریعے قائداعظم سے ملنے کی اجازت چاہی۔ سالار قائد سے اجازت لینے اندر گئے لیکن انہوں نے جواب دے دیا بعد سکندر حیات نے پھر اصرار کیا سالار پھر اندر گئے لیکن اجازت نہ مل سکی اور پنجاب کا وزیراعظم بغیر ملے واپس چلا گیا۔۔۔ اور بہت سی دلچسپ یادیں ہیں۔

س: پاکستان کی موجودہ صورتِ حال کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟

ج: صاحب پاکستان کی موجودہ صورتحال تسلی بخش نہیں ہے۔ جہاں مارشل لا ہو وہاں اندرونی حالات معمول پر تو نہیں ہو سکتے۔ جمہوریت کا فقدان اور سیاسی بحران ہے۔ خاموشی نہیں بلکہ گھٹن ہے ایسی گھٹن بہت سی علتی بیماریوں کو جنم دیتی ہے، مشرقی پاکستان کا سانحہ ہمارے سامنے ہے۔ ایسے حالات سے اندرونی اور بیرونی دشمن فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ملک کی سلامتی اسی میں ہے کہ جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں اور عنان

حکومت عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کردی جائے۔ اسمبلیاں اور زیادہ دیر معطل رہیں تو حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔

س: حکومت کی موجودہ پالیسی جس کے مطابق وہ صنعت کاروں کو ہر ممکن سہولتیں مہیا کر رہی ہے اور دوسری ترجیحات کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

ج: ہمارا ملک ۶۰ ارب کا مقروض ہے، اور دنیا کے غریب ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ یہ قرضہ جات اتارنے کے لئے اور ضروریاتِ زندگی میں خود کفیل ہونے کے لئے صنعت کا فروغ ضروری ہے لیکن کاشت کار ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ پاکستان کی ۸۰ فیصد آبادی دیہاتوں میں بسر اوقات کرتی ہے اور ان کی حالت بے حد ناگفتہ بہ ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی خوراک بھوک ہے یہ ان مویشیوں کی طرح ہیں جنہیں پیٹ بھرنے کو چارہ نہیں ملتا اور بیماری میں دوا میسر نہیں آتی۔ ان کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ بچوں کو تعلیم دلوا سکیں۔ ڈاکٹر لوگ دیہاتوں میں جانا پسند نہیں کرتے اور زرعی ماہرین بھی ادھر کا رخ نہیں کرتے۔ اس وقت پاکستان کا کاشت کار دو تین خطرات سے بہت بری طرح دوچار ہے۔

(۱) شہروں کی طرف منتقلی: دیہاتوں کی زندگی عام طور پر بڑی تکلیف دہ ہے۔ کھاد، کرم کش دوائیں آسمانی بلائیں، سیم اور تھور نے کاشت کاری کے اخراجات بڑھا دیئے ہیں اور آمدنی میں کمی بھی واقع ہوتی ہے۔ جہاں بجلی اور پکی سڑکیں نہیں۔ وہاں تو زندگی اور بھی دوبھر ہے۔ کوئی سامانِ تفریح نہیں ہے اس لئے غریب لوگ دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔

(۲) کاشتکاروں کی کمی: ہزاروں دیہاتی نوجوان فیکٹریوں اور ملوں میں بھرتی ہو چکے ہیں۔ زمینوں پر کام کرنے کے لئے تندرست ہاتھ غائب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ مل مزدوروں کو کاشت کار کی نسبت زیادہ سہولتیں میسر ہیں۔

(۳) معاملہ۔ آبیانہ میں اضافہ: اب ایک مربعے یا زیادہ رقبے کے مالک کو پہلے سے تین چار گنا زیادہ معاملہ اور آبیانہ کی رقم دینی پڑتی ہے۔ جس نہری رقبہ پر پہلے فصل ربیع میں سات آٹھ سو روپیہ معاملہ آبیانہ آتا تھا اب ۲۵۰۰/- کے لگ بھگ آتا ہے۔ دیہاتوں میں مثال عام ہوگئی ہے کہ "ننگی کیا نہائے گی اور کیا نچوڑے گی"۔ ایک یا دو مربعے کے کاشت کار کی مالی حالت کسی طرح بھی اطمینان بخش نہیں ہوتی اس معاملہ اور آبیانہ میں اضافے نے اونٹ پہ آخری تنکے کا کام کیا ہے اور غریب کاشت کار غریب سے غریب تر ہو گیا ہے لیکن ہمارے کاشت کار میں ایک خوبی ہے کہ وہ گھر پر بیٹھ کر رو لیتا ہے لیکن اپنا دکھ کسی کو نہیں سناتا۔ پروفیسر غفور احمد۔ میاں طفیل محمد، نوابزادہ نصر اللہ، جو وزارتیں بننے سے پہلے معاملہ اور آبیانہ کے اضافے پر شور و غوغا کرتے تھے اب خاموش ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہی حالات رہے تو غریب کاشت کار دیہی زندگی کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یا کم از کم کھیتی باڑی سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ اس سے ملک مزید اقتصادی بحران کا شکار ہو جائے گا۔

س: پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت اور موجودہ دور میں چھوٹے کسانوں اور مزارعوں کو ملنے والی مراعات اور ان کی مشکلات کے بارے میں آپ کیا سوچتے ہیں؟

ج: کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ صرف اس معاملے آبیانے کے بے جا اضافے نے پاکستان کے کاشت کار کی کمر توڑ دی ہے۔ دیہاتوں میں غریب کاشت کار عورتوں کے زیور اور اپنی بھینسیں بیچ بیچ کر یہ معاملے آبیانے ادا کر رہے ہیں لیکن افسوس کہ کہیں کوئی شنوائی نہیں، سنائیں کسے؟ دفتروں میں تو افسر لوگ ہیں جن کے قریب سے بھی کاشت کار گزرتا ہوا ڈرتا ہے یہ ڈر اور خوف اس کے لاشعور میں ہے جسے انگریز نے ان کے دل و دماغ میں بھر دیا تھا کہتے ہیں غلامی کے اثرات سو سال بعد زائل ہونا شروع ہوتے ہیں۔

معاملے اور آبیانے بڑھا دیئے گئے ہیں لیکن اناج کی قیمتوں میں اضافہ برائے نام ہے۔ کھاد کی قیمتوں میں کمی برائے نام ہے میں مانتا ہوں کہ اناج کے نرخ بڑھانے سے اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن لگان اور آبیانے کو کئی گنا بڑھانے سے کاشت کاروں پر اقتصادی بوجھ بڑھ گیا ہے۔

س: ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے اب تک پیپلز پارٹی کا مجموعی کردار اور سیاست کیا رہے ہیں؟

ج: ہر شخص اور ہر قوم پر امتحان کا وقت آتا ہے ایسا ہی وقت پیپلز پارٹی پر بھی آیا تھا۔ چند ایک کے سوا پارٹی کے رہنما اور کارکن وفادار اور ثابت قدم رہے۔ کوڑے، جیلیں، مقدمے ان کے عزم اور وفاداری کو متزلزل نہ کر سکے۔ پیپلز پارٹی غریبوں، مزدوروں اور محنت کشوں کی پارٹی ہے۔ آج پاکستان کا مزدور اور محنت کش پہلے سے زیادہ بیدار ہے۔ پارٹی کا زیادہ وفادار اور جانثار ہے۔ محلّوں، دیہاتوں، فیکٹریوں، اور ملّوں میں غریب لوگ اپنے قائد ذوالفقار علی بھٹو کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ آنسو بہاتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے پیپلز پارٹی عوام میں کس قدر مقبول ہو چکی ہے اس کا اندازہ تو الیکشن میں ہوگا۔۔ اگر ہوا۔

س: سقوطِ مشرقی پاکستان کا ذمّہ دار کون ہے؟ خصوصاً یحییٰ اور نیازی کی کشمکش پر روشنی ڈالیئے۔

ج: یہ کہانی بہت لمبی ہے۔ اس ایک نشست میں ہم یہ بھیانک داستان ختم نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے مزید وقت درکار ہے۔ اس ڈرامے میں بڑے بڑے خونخوار بھیڑیوں اور کالے ناگوں نے حصّہ لیا۔ اس کھیل میں ایسے ایسے اداکار آئے جنہیں دیکھ کر محمد شاہ رنگیلے اور جعفر و صادق کی روحیں بھی شرما جائیں۔

پاکستان جس دن سے عالم وجود میں آیا دشمنوں کی سازشوں کا تختۂ مشق بنا رہا۔ دشمن اس کے اندر بھی تھے اور باہر بھی۔ اندر وہ تھے جنہوں نے نظریۂ پاکستان

پاکستان سوشلسٹ پارٹی پشاور شہر اور صدر کے کارکنوں کا ایک تنظیمی اجلاس جناب جلال خان جدون کی زیرِ صدارت منعقد ہوا جس میں پشاور کے لئے سوشلسٹ پارٹی کی تنظیم کے انتخابات منعقد ہوئے اجلاس نے متفقہ طور پر جناب جلال خان جدون کو پارٹی کا صدر اور حسین خان ایڈووکیٹ کو سیکریٹری جنرل منتخب کر لیا جب کہ سی۔ ڈبلیو جیکب نائب صدر مجیب اللہ خان امورِ زراعت ولیم جالج سیکریٹری امور محنت اور محمد اکرم کو سیکریٹری امور ثقافت و تعلیم منتخب کر لیا۔ نو افراد پر مشتمل مجلس عاملہ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔ عبدالوحید، نصیر احمد خان مصطفیٰ اقبال، محمود، خورشید عباسی ایس لطرس دینامل، سعد اللہ جان۔ عاشق حسین اور ظفر احمد۔

اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان سوشلسٹ

سرحد

خلیل خان خٹک

نظر ثانی کی بنچ میں جسٹس قیصر خان اور جسٹس وحید الدین کی شمولیت کا مطالبہ

صوبہ سرحد میں آجکل چیئرمین بھٹو کو سنائی جانے والی سزائے موت کے حوالے سے پاکستان کا مستقبل اور فوجی حکومت کا وہ اسلامی نظام موضوع بحث ہے جس کا اعلان ۱۲ ربیع الاول کو نہایت طمطراق سے کیا گیا ہے جنرل ضیاء نے قوم کو کوڑے مارنے، ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کی سزائیں دینے کے ساتھ زکوٰۃ اور عشر کے نفاذ کے "خوشخبری" سنائے ہیں ایک طرف جماعت اسلامی اور اس کی بغل بچہ تنظیمیں اور دم چھلا جماعتیں ان پر بغلیں بجا رہی ہیں اور دوسری طرف عام لوگ حیران ہیں کہ آپریشن فیئر پلے والے ان کے ساتھ کیا تماشہ کر رہے ہیں حجروں اور قہوہ خانوں میں عوام اس نئے "آپریشن" پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے اس پر شدید بے اطمینانی اور مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگرچہ ملک میں حقیقی اسلام نظام منصورہ یا اچھرہ برانڈ اسلامی نظام نہیں کے سب ہی خواہاں اور طلبگار ہیں لیکن لوگ سوال کرتے ہیں کہ پہلے پاکستان کو نا پاکستان کہنے والے اور بعد ازاں اس مملکت خداداد میں اسلام کے نفاذ کی ٹھیکیداری کا دعویٰ کرنے والے اقتدار پر (چور دروازے سے) قبضہ کرنے کے باوجود اب اسلام کو اس کی اصل روح کے مطابق مکمل طور پر نافذ کرنے سے کیوں گریزاں ہیں لوگ پوچھتے ہیں کہ اس جماعت نے غیر اسلامی معاشرے میں اسلامی سزائیں نافذ کرنے کا جو اعلان کرایا ہے کیا وہ اسلام کے مطابق ہے۔

بینکوں میں جمع رقوم پر زکوٰۃ وضع کرنے کے اعلان کے بعد صوبہ سرحد میں مختلف بنکوں سے اب تک ایک اندازے کے مطابق ۲۵ کروڑ روپے سے زیادہ رقم نکلوائی جا چکی ہے صرف ۱۲ ربیع الاول کو یعنی اعلان کے اگلے دن پشاور شہر میں ایک بنک کی دو شاخوں سے پچاس لاکھ روپیہ نکلوا لیا گیا سونے کا بھاؤ اچانک بڑھ گیا گیارہ سو روپے تولہ تک پہنچ گیا ہے غریب عوام کا خون چوس کر دولت جمع کرنے والے بڑے "خان" اور اسمگلنگ، چور بازاری، رشوت خوری اور دوسرے کالے دھندے کرنے والے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے اپنے روپے کو کالے دھن میں تبدیل کر رہے ہیں اور دھڑا دھڑ سونا خرید رہے ہیں اس صورتحال کے نتیجے میں اشیائے ضرورت کی قیمتیں جو پہلے ہی آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اب ساتویں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی ہیں اور آئندہ تین چار ماہ کے اندر عام آدمی کی اقتصادی مشکلات میں زبردست اضافہ ہو جانے کے امکانات اور بڑھ گئے ہیں۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ سنائے جانے سے پہلے اور اس کے بعد صوبہ سرحد کے مختلف شہروں میں پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں کی گرفتاریوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ بدستور جاری ہے چادر اور چار دیواری کی محافظ پولیس پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی گرفتاری کے لیے بے دھڑک بلا وارنٹ ان کے گھروں میں گھس جاتی ہے گھروں کی تلاشی لیتی ہے اور کسی ورکر کے ہاتھ نہ آنے کی صورت میں نہ صرف اس کے بوڑھے والدین کو تھانے حاضر کر دیتی ہے بلکہ پردہ دار خواتین کی بے عزتی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ صوبہ کے بعض شہروں میں پولیس نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو غیر قانونی حراست میں رکھنے کا یہ طریقہ بھی شروع کر رکھا ہے کہ انہیں دفعہ ۱۵۱، ۱۰۷ کے تحت گرفتار کر لیا جاتا ہے انتظامیہ کی طرف سے دفعہ ۱۵۱، ۱۰۷ کے ضمانت ناموں کی تصدیق نہیں کی جاتی اس طرح انہیں کئی کئی دن کسی قانونی جواز کے بغیر حراست میں رکھا جاتا ہے جبکہ عام طور پر اس دفعہ کے تحت گرفتار ہونے والوں کو ۲۴ گھنٹے کے اندر ضمانت پر رہا کر دیا جاتا ہے لیکن صوبہ سرحد میں پولیس نے حاجی یوسف اورکزئی کی قیادت میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو ہراساں کرنے کے لیے یہ نیا طریقہ کار اختیار کیا ہے واضح رہے کہ حاجی صاحب موصوف پورے پاکستان میں کلیدی عہدوں پر فائز افراد میں واحد شخصیت ہیں جن کا ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد تبادلہ نہیں ہوا اور وہ بدستور اسی عہدے پر خدمات انجام دے رہے ہیں جس پر پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں انہیں مقرر کیا گیا تھا پیپلز پارٹی صوبہ سرحد نے اپنے ایک ہنگامی اجلاس میں پارٹی کے کارکنوں کی اس طرح غیر قانونی گرفتاریوں کی سخت مذمت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ جناب آفتاب شیرپاؤ، ظفر احمد قریشی میجر جنرل (ریٹائرڈ) نصیر اللہ بابر، ادرخان بہادر خان ایڈوکیٹ سمیت پارٹی کے تمام لیڈروں اور کارکنوں کو فی الفور رہا کیا جائے۔

پیپلز پارٹی کے صوبائی سطح پر ہونے والے اس اجلاس میں صوبے کی تازہ ترین سیاسی صورتحال پر بھی غور کیا گیا اور پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی اس قرارداد کی حمایت کی گئی جس میں اپیل کی گئی ہے کہ سپریم کورٹ کے نظر ثانی بنچ میں مسٹر جسٹس قیصر خان اور مسٹر جسٹس وحید الدین احمد کو بھی شامل کیا جائے پیپلز پارٹی صوبہ سرحد نے پاکستانی عوام، طلباء، مزدوروں کسانوں، دانشوروں اور تمام مکاتیب فکر کے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ملک کے استحکام اور بقا کی خاطر چیئرمین بھٹو کا ساتھ دیں۔

بھٹو کی سزائے موت پر عملدرآمد نہ کیا جائے، صالح بلوچ

نیشنل پروگریسو پارٹی کے قائمقام مرکزی جنرل سیکرٹری محمد صالح بلوچ نے قومی اتحاد بالخصوص جماعت اسلامی کی طرف سے جناب بھٹو کی اپیل مسترد کیے جانے پر اظہار مسرت اور سزائے موت پر عملدرآمد کرانے کی کوششوں کو قابل مذمت اور سپریم کورٹ کے وقار کے منافی قرار دیا ہے ایک اخباری بیان میں انہوں نے کہا ملک کے عوام کی اکثریت جناب بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے خلاف ہے مگر اس کے باوجود جماعت اسلامی سپریم کورٹ کے فیصلے کو مشکوک اور مشتبہ بنانے پر تلی ہوئی ہے جس میں تین ججوں نے جناب بھٹو کے حق میں اور چار ججوں نے ان کے خلاف فیصلہ دیا ہے انہوں نے کہا انہیں شبہ ہے کہ اگر تمام معزز ججوں نے فیصلہ جناب بھٹو کے حق میں دے دیا ہوتا تو جماعت اسلامی فیصلے کا اسی انداز سے احترام کرتی۔

جناب صالح بلوچ نے کہا سامراج کے زیر تسلط ممالک میں قانون اور انصاف کے اصل کردار سے صحیح طور پر سمجھ کوئی مشکل بات نہیں کہ امریکی ایجنٹوں ... رجعت پرستوں نے ملک کے سیاسی اقتصادی مسائل و معاملات ... ذکر کرتے ہوئے ملک کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا ہے انہوں نے کہا کہ ملک کا مفاد اس میں ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو جناب جام ساقی، جناب افراسیاب خٹک، جناب رسول بخش پلیجو جناب حسین نقی جناب مخدوم خلیق الزمان سمیت تمام سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو فی الفور رہا کیا جائے۔

جماعت کی مخبری، طلباء کی گرفتاری

ان کے والدین کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں

۱۵ فروری کو این ایس ایف کے صدر جان عالم اور دیگر سات عہدے دار اور ارکان کو مجلسِ عاملہ کے اجلاس کے دوران اچانک چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا گیا یہ اجلاس ڈبٹینگ سیکرٹری اکرم قائم خانی کے مکان واقع ٹڈگ کالونی میں ہو رہا تھا گرفتار شدگان میں جنرل سیکرٹری محمود الحسن، جوائنٹ سیکرٹری علی خاقان مرزا، ڈبٹینگ سیکرٹری اکرم قائم خانی، نائب صدر وسیع اللہ شبنم، مرکزی مجلسِ عاملہ کے اراکین جعفر الحسن۔ علی عباس اور اسلام الدین شامل ہیں۔

پولیس کے چھاپہ اور گرفتاری سے قبل جماعت اسلامی کے دو کارکن جوان دنوں تھانہ میں مخبری کے فرائض بھی ادا کر رہے ہیں سائیکلوں پر چکر کاٹتے دیکھے گئے ان کی آمد اور روانگی کا انداز خاصہ پراسرار اور مشکوک تھا جس پر کچھ لوگوں کا ماتھا ٹھنکا کہ دال میں کچھ کالا ہے لیکن اجلاس میں زیر بحث بعض مسائل کی اہمیت کے پیش نظر جماعتی کارکنوں کی پراسرار نقل و حرکت پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ بعد میں یہ غلطی ان کی گرفتاری کا سبب بنی۔ جماعتیوں نے عاملہ کے اس اجلاس پر "خطرناک رنگ" چڑھا کر حکام اور پولیس کو اطلاع کر دی کہ تخریب کار حکومت کے خلاف منصوبہ تیار رہے ہیں اس مخبری کے ایک گھنٹے کے اندر اندر مسلح پولیس کے جتھوں نے چھاپہ مار کر "تخریب کاروں" کے قلعہ کو فتح کر لیا وہاں موجود مذکورہ بالا تمام عہدیداروں اور ارکان کو محض جماعت اسلامی کی مخبری پر گرفتار کر لیا گیا۔ ان میں سے چار افراد کو دفعہ ۱۲ کے تحت تین تین ماہ کے لیے نظر بند کر دیا گیا جبکہ بقیہ ارکان کی دفعہ ۱۵ اکے تحت گرفتاری عمل میں آئی۔

جان عالم کافی عرصہ سے گرفتار ہے گزشتہ دنوں انہیں ہائیکورٹ کے فیصلہ کے تحت ضمانت پر رہا کیا گیا تھا انہوں نے پی ایف یو جے اینپک کی قیادت میں شروع ہونے والی جدوجہد کے دوران خود کو گرفتاری کے لیئے پیش کیا تھا ابھی ان کی رہائی کے چند دن گزرے تھے کہ انہیں دوبارہ پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔

جان عالم اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قانون کی حکمرانی کا دعویٰ کرنے والے قانون کو اپنی عینک سے دیکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں انہیں اس کی مطلق پرواہ نہیں کہ مخالفین کو کچلنے اور ان کی آواز دبانے میں قانون کی حرمت اور تقدس کا جنازہ نکل جائے طاقت کا قانون سب سے بڑا قانون ہے اور اس بات کو عملی طور پر ثابت کیا جا رہا ہے کہ عوام کے منتخب نمائندوں کے بنائے ہوئے قوانین اخلاق اصول اور ضابطے جبر اور طاقت کے قانون کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کاغذ پر لکھے ہوئے قوانین کو کسی وقت پھاڑا جا سکتا ہے۔

گرفتار شدگان کے قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے افراد خاندان کو ہراساں کیا جا رہا ہے والدین کو تھانے پر بلا کر دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر ان کے لڑکوں نے سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کشی نہ کی تو سنگین نتائج کے لیئے تیار رہنا پڑے گا۔ بعض لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ لکھ کر دیدیں کہ وہ آئندہ سیاست میں حصّہ نہیں لیں گے مگر گرفتار شدگان اور ان کے قریبی احباب نے بڑی حقارت سے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ مصائب کے پہاڑ ہمیں سیدھے راستے سے نہیں ہٹا سکیں گے میدان میں امتحان دینے کی نیت سے اُترے ہیں۔ اس سے بھاگنے کے لیئے نہیں۔

سزائے موت کے خلاف ہری پور اور مچھ جیل میں بھوک ہڑتال

ہری پور سنٹرل جیل میں نظر بند سات سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں نے سپریم کورٹ کی طرف سے چار ججوں کے کثرتِ رائے سے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کے اعلان کے ساتھ بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے بھوک ہڑتال کرنے والے اسیر رہنماؤں میں پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے سیکرٹری مالیات مسٹر قمر عباس ایڈوکیٹ، پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن سرحد کے چیف آرگنائزر پرویز اختر رانا، جناب عبدالاکبر خان، ڈاکٹر ناز درانی، محمد گل، شیر افضل اور ملک فضل سبحان شامل ہیں

مچھ جیل میں نظر بند پاکستان پیپلز پارٹی ضلع نصیر آباد کے صدر محمد صادق عمرانی نے بھی سزائے موت کے فیصلے کے خلاف تادم مرگ بھوک ہڑتال شروع کر رکھی ہے ایک اطلاع کے مطابق ۶ فروری کو سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کے اعلان کے بعد جناب عمرانی نے تادمِ مرگ بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا اور اپنے فیصلے سے جیل حکام کو مطلع کر دیا معلوم ہوا ہے کہ جیل حکام نے جناب صادق عمرانی کو تشویشناک حالت کے پیش نظر طبی سہولت پہنچانے اور بھوک ہڑتال ختم کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے لہٰذا ان جیل حکام نے جناب صادق عمرانی کو بیرک نمبر ۹ میں تنہا بند کر دیا اور پارٹی کے نظر بند ساتھیوں کی ان سے ملاقات اور خبر گیری پر پابندی عائد کر دی جس سے جناب صادق عمرانی کے بارے میں سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔

بلا تبصرہ

شعبۂ علما۔ نصیر الاجتہادی

اور مولانا محمد باقر شمس کے بیانات

ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہاں
فتاوائے عالمگیری کا تسلط ہوگا

کشکول گدا دستِ عطا سے لڑائی مول نہیں لے سکتا

سربراہ مرکزی مجلس علمائے پاکستان علامہ سید نصیر الاجتہادی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ نظام شریعت کے نفاذ میں فقہ جعفری کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ ملک جس کمزوری اور نازک حالات سے گزر رہا ہے اس کی وجہ سے میں اور میرے رفقاء اور تین کروڑ قوم کی پالیسی یہی رہی ہے کہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے ملک کے امن و امان کو خطرہ لاحق ہو۔ لیکن امن و امان سے زیادہ قیمتی شے دین و ایمان ہے۔ نظام مصطفےٰ کے لئے جس طرح میں نے اور میرے رفقاء نے تعاون کیا اس کی گواہی اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن دے سکتے ہیں لیکن ہمارا تعاون اور جدوجہد نظام مصطفےٰ کے لئے تھی۔ نظام حنفی کے لئے نہیں۔ صدر محترم نے یکم محرم کو نظام مصطفےٰ کے سلسلے میں جو تقریر کی اس میں قرآن و سنت اور اجتہاد کا ذکر ہے۔ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں یہاں اجتہاد ہوگا۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اس سے مراد "فتاوائے عالمگیری" کا تسلط ہوگا۔ "یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں"۔ مجھے انتہائی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صدر کے ان جملوں نے مجھے شدید کرب میں مبتلا کیا کہ "یہ اکثریت کا فیصلہ ہے"، عقل و نقل کی عدالت میں حق کا فیصلہ قابل قبول ہو نہ کہ اکثریت کا اور یوں بھی جبکہ تمام قوم اور جماعتیں انتخابات کا مطالبہ کر رہی ہیں لیکن اس اکثریت کے مطالبہ کو نظریہ "مثبت نتائج" کے ماتحت تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے تو جس اکثریت کے فیصلہ کو شریعت میں نظر انداز کیا جا رہا ہے اس کو شریعت میں بنا بی کے ساتھ کیوں قبول کیا جا رہا ہے۔ غضب خدا کا غیر مسلم افراد کو مسلمہ بین الفرق محرمات کے استعمال کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ان کے مذہب کی رسوم میں داخل ہیں اور دوسری طرف ایک عظیم مسلم فرقے سے اس کے فقہی ہدایات کے ماتحت زندہ رہنے کے حق کو چھینا جا رہا ہے۔ ایک طرف سعودی حکومت میں غیر مقلدانہ شریعت جو حنفی قوانین سے مختلف ہے رائج ہے وہاں کوئی مجاہد اعظم اور مفکر اسلام زور نہیں ڈالتا کہ وہ بھی حنفی شرع کو اپنا لیں کیونکہ کشکول گدا دستِ عطا سے لڑائی مول نہیں لے سکتا اور ہم پر یہ زور اور جبر ہے کہ ہم فقہ حنفی کو تسلیم کر لیں۔ ہم صاف اور غیر مبہم انداز میں سب کو بتا دینا چاہتے

بھٹو اور دیگر افراد کی سزائے موت منسوخ کی جائے

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان کے جنرل سیکرٹری محمد جعفر نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے مقدمہ قتل کے سلسلہ میں مسٹر بھٹو کی اپیل مسترد کر کے سزائے موت بحال رکھی ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سزا پر عملدرآمد کرنے سے پہلے چند حقائق توجہ طلب ہیں عدالت عظمیٰ کے تین ججوں نے مسٹر بھٹو کو قطعی بے گناہ قرار دیا ہے اس کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں یہ بھی قابل غور مسئلہ ہے کہ سزائے موت کے بعد قومی علاقائی اور بین الاقوامی صورتحال کے عوامل و عواقب ناگزیر ہونگے۔ ان حالات کا تقاضہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اور دوسروں کی سزائے موت کو منسوخ کیا جائے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ دنیا بھر کے باضمیر روشن خیال اور جمہوریت پسند لوگ موت کی سزا کو انسانیت کیلئے ناقابل قبول سمجھتے ہیں۔ ہماری رائے میں موت کی سزا کا قانون ختم ہونا چاہیئے۔ بیان میں صدر ضیاء الحق اور گورنر سوار خان سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ بھٹو اور دوسرے افراد کی سزائے موت منسوخ کر دیں●

ہیں کہ ہم فقہ جعفریہ پر کسی فقہ کی بالادستی قبول نہیں کریں گے۔ ہم نہ بالادستی چاہتے ہیں نہ زیردستی بلکہ برابر کی درستی چاہتے ہیں۔ **لکم دینکم ولی دین** تمہارا مسلک تمہارے ساتھ ہمارا مسلک ہمارے ساتھ۔

ہم اس سلسلہ میں ان تمام علماء سے جو اسلامی مشاورتی بورڈ کے رکن ہیں استعفیٰ کا مطالبہ کرتے ہیں ورنہ قوم ان کا سختی سے احتساب کرے گی۔ تمام علماء و ائمہ مساجد اور ذاکرین کرام مساجد و امام بارگاہوں میں پُرامن طور پر احتجاج کریں۔ تمام زعمائے ملت، لیڈر، ورکرز اور انجمنیں ہزاروں کی تعداد میں حکومت کو تار بھیج کر اپنے جذبات کا اظہار کریں۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت نے جس طرح جداگانہ دینیات کا وعدہ کیا تھا اور پھر پورا کیا اسی طرح یہ مطالبہ بھی پورا کرے گی ورنہ میں قوم سے کہوں گا کہ وہ انتظار کرے اور مرکزی مجلس علمائے پاکستان اور مرکزی تنظیم ایمانی کے احکام کا انتظار کرے۔ میں اپنی قوم سے دوبارہ کہوں گا وہ ہماری ہدایات سے پہلے کوئی قدم نہ اٹھائے۔ جو اجتہاد کرنا جانتے ہیں وہ جہاد کرنا بھی جانتے ہیں۔

مولانا محمد باقر شمس

ممتاز مؤرخ، محقق، ادارۂ دار التصنیف کے بانی اور معروف شیعہ عالم مولانا محمد باقر شمس نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے حالیہ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت شیعہ علماء اور عوام نے بھی حنفی العقائد برادران کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا جن میں مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ فاتح ٹیکسلا، مولانا شبیہ الحسنین صاحب قبلہ محمدی راجہ صاحب محمود آباد، ایم ایم اصفہانی سیٹھ حبیب کسارا، نواب محمد اسماعیل آف پٹنہ اور حسن علی پی ابراہیم نے تحریک پاکستان میں بے مثال قربانیاں اور نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور ان حضرات کو اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ مملکت خداداد پاکستان میں ملت اسلامیہ کے ہر فرقہ اور ہر مکتب فکر کے افراد کو ان کی فقہ اور عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی ہو گی مولانا شمس صاحب قبلہ نے کہا کہ اگرچہ پاکستان میں حنفی العقائد حضرات کی اکثریت ہے تاہم ملک کی ایک بڑی آبادی فقہ جعفریہ پر عمل پیرا ہے جس کو اقلیت قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اس پر حنفی مسلک کو خصوصاً فقہی مسائل میں زبردستی مسلط کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات کو مضحکہ خیز قرار دیا کہ ایک ملک میں دو قوانین نافذ نہیں ہو سکتے ہیں۔ مولانا شمس نے کہا کہ میراث اور دیگر مسائل کی طرح حدود و تعزیرات اور زکوٰۃ کے مسائل میں بھی مسلم پرسنل لاء پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر شیعہ علماء اور عوام کے اس مطالبہ کو مسترد کیا گیا تو پاکستان میں بھی لبنان کی سی صورتحال پیدا ہو سکتی ہے جسے نہ تو موجودہ حکومت اور نہ ہی کوئی اور محب وطن پسند کرے گا۔ مولانا شمس نے صدر جنرل ضیاء الحق کے اس بیان کا خیر مقدم کیا کہ شیعہ علماء اور عوام کے اعتراضات پر سنجیدگی اور ہمدردی سے غور کیا جائے گا۔●

ظلم کی داستان ۔۔ دریا خاں

ہنگامہ جماعت اور ملز انتظامیہ نے کروایا، سزا مزدوروں کو دی گئی

زخمی خواتین "چادر اور چار دیواری" کے تحفظ کی تصویر ہیں

آج کل ظلم کی داستانوں کے بڑے چرچے ہیں یہ داستانیں ایک عرصے تک ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ اور ریڈیو سے نشر کی جاتی رہیں۔ ان داستانوں کے دوران ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے یہ تاثر دیا جاتا رہا کہ ظلم صرف پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں ہوا تھا۔ اُس سے پہلے کی حکومتیں اور موجودہ انتظامیہ کے دور میں ظلم کی داستانوں نے جنم نہیں لیا۔ بلکہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے اور مارشل لاء انتظامیہ کے برسراقتدار آتے ہی ظلم کا خاتمہ ہو گیا۔ نام و نشان مٹ گیا ہے ہر طرف امن اور انصاف کا چلن اور بول بالا ہے شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔ اور عوام ہر صبح جاگنے اور ہر رات سونے سے پہلے موجودہ انتظامیہ کے لئے دعا خیر کرتے ہیں درازی اقتدار کے لئے دعا مانگتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے شکر ادا کرتے ہیں۔

یہ تو تھا وہ تاثر، جو سرکاری ذرائع ابلاغ دے رہے ہیں۔ مگر حقیقت اس کے قطعی برعکس ہے۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد ظلم کی جن داستانوں نے جنم لیا۔ اُن کی مثال ملک کی پوری تاریخ میں نہیں ملے گی۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ملک کے کسی گوشے اور حصے میں ظلم کی المناک اور لرزہ خیز داستان جنم نہ لیتی ہو۔

ان دنوں سندھ کی سرزمین خصوصی طور پر شہر یاروں کی "مہربانیوں اور توجہ" کا مرکز بنی ہوئی۔ اور وادی مہران میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ مستقبل کا مورخ جب اُس پر قلم اٹھائیگا تو کانپ اٹھے گا۔ سندھ میں ہونے والے مظالم کی تفصیل میں جائے بغیر اس جگہ صرف اُن مظالم کا ذکر کریں گے جو سندھ سیمنٹ ورکس فیکٹری روہڑی اور الائیڈ ٹیکسٹائل ملز لاڑکانہ کے مزدوروں پر ڈھائے گئے جن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے

روہڑی سیمنٹ فیکٹری

اس فیکٹری میں محنت کشوں کی ایسی یونین تھی جس نے مزدوروں کو منظم اور متحد کر کے پرامن اور قانونی جدوجہد کے ذریعے کارکنوں کو ایسے فوائد دلوائے تھے جو پاکستان کی کسی بھی سیمنٹ فیکٹری کے مزدوروں کو حاصل نہیں تھے یونین کے قائدین مخلص اور ایماندار تھے، چنانچہ مزدور اُن سے انتہائی پیار اور محبت کرتے تھے۔ اور اُن کے ایک اشارے پر میدان عمل میں کود پڑنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ یونین پاکستان کی مضبوط اور فعال ترین ٹریڈ یونینوں میں شمار ہوتی تھی مگر یہ باتیں ملز انتظامیہ کو پسند نہیں تھیں کیونکہ یہ اُس کے مفاد کے منافی تھیں۔ جماعت اسلامی بھی اس یونین اور اس کے قائدین کو ناپسند کرتی تھی۔ کیونکہ انہوں نے جماعت اسلامی اور انتظامیہ کے ہاتھوں میں کھیلنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ جماعت اسلامی ایک عرصے سے یونین اور اُس کی قیادت کے خلاف سازشیں کر رہی تھی۔ ملز انتظامیہ بھی موقع کی تلاش میں تھی۔ بالآخر جماعت اسلامی ملز انتظامیہ اور سرکاری حکام نے باہمی مشورے سے ایک مزدور دشمن منصوبہ تیار کیا۔ جس پر اُس وقت عمل کیا گیا جب جنرل ضیاء الحق سکھر کے دورے پر آئے اس موقع سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لئے جماعت اسلامی نے سرکاری حکام اور ملز انتظامیہ کے تعاون سے ایک نام نہاد وفد تیار کر رکھا تھا۔ جس نے دورے کے دوران جنرل ضیاء سے ملاقات کی اور گڑگڑا کر فریاد کی "بندہ پرور! روہڑی سیمنٹ فیکٹری میں کمیونسٹوں

کی یونین ہے وہ بھٹو کے حامی ہیں اس کے علاوہ اس علاقے میں چلنے والی ہر تحریک میں اس یونین کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ ہر مزدور تحریک کی عملی حمایت بھی کرتے ہیں" یہ فریاد رنگ لائی جنرل ضیاء نے انتظامیہ کو ہدایت کی کہ اس یونین کو ٹھیک کردیا جائے۔ جنرل صاحب کے سکھر چھوڑنے کے بعد اسسٹنٹ ڈی ایم ایل اے کرنل فاروق نے روہڑی سیمنٹ فیکٹری کی یونین کے جنرل سیکرٹری مولا بخش اور لاڑکانہ لیبر فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری عبدالعزیز عباسی کو بلوایا اور ان دونوں مزدور رہنماؤں سے واضح طور پر کہا" آپ نے صحافیوں کی تحریک کا ساتھ دیا۔ اپنے آدمی بھیجے۔ اب آپ یہاں بھی تحریک چلانا چاہتے ہیں حکومت کے خلاف شورش پیدا کرنا چاہتے ہیں"۔ اُس نے دھمکی دی کہ آپ سے بدلہ ضرور لیا جائے گا" کرنل فاروق نے یہ بھی کہا" ہم مسلمان ہیں اور پاکستان کے لئے تین لڑائیاں لڑ چکے ہیں۔ میں تمہارے جیسے تخریب کاروں کو نہیں چھوڑوں گا۔ اور سزا دوں گا۔"

اس دھمکی کے چند دن بعد ہی مزدور رہنما مولا بخش اور سیمنٹ فیکٹری کی یونین کے تین کارکنوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے۔ الزام یہ لگایا گیا کہ وہ غیر قانونی ہڑتال کروا رہے تھے۔ حالانکہ اس وقت تک فیکٹری میں کام ہو رہا تھا اور کوئی ہڑتال وغیرہ نہ تھی۔ مولا بخش اور عبدالعزیز تو پولیس کے ہاتھ نہ لگے۔ البتہ دیگر دو کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مولا بخش اور عبدالعزیز کی گرفتاری کے لئے پولیس نے اُن کے گھروں اور مختلف مقامات پر چھاپے مارے لیکن وہ پھر بھی ہاتھ نہ آسکے۔ پولیس نے اُن کے گھر والوں کو بے حد خوف زدہ اور ہراساں کیا بدتمیزی کی۔

یونین کے رہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کی گرفتاری اور وارنٹ کے اجراء کی وجہ سے سیمنٹ فیکٹری کے مزدوروں میں غم وغصہ پیدا ہو گیا۔ لیکن انہوں نے تحمل سے کام لیا۔ لیکن جماعت اسلامی نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مختلف حربوں سے مزدوروں کو اشتعال دلانے کی بھرپور کوشش کی۔ مزدوروں کو دھمکیاں دی گئیں کہ تمہاری یونین کو ختم کر دیا جائے گا۔ یونین کے عہدیداروں کو فیکٹری میں گھسنے نہیں دیا جائے گا وغیرہ اس کے باوجود مزدور مشتعل نہیں ہوئے تو جماعت اسلامی اور مل انتظامیہ نے ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق اپنے لوگوں سے فیکٹری میں ہنگامہ کروا دیا۔ اور اس بہانے خود ڈی ایم ایل اے، پولیس اور عمل درآمد کرنے والے ایک اور ادارے کے اہلکاروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ مزدوروں پر زبردست لاٹھی چارج کیا گیا اور تقریباً ڈیڑھ سو مزدوروں کو گرفتار کر لیا گیا اس کارروائی کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ عورتیں باہر نکل آئیں۔ انہوں نے احتجاجی جلوس نکالا۔ تو خواتین کے اس جلوس پر بھی نہایت بربریت سے لاٹھی چارج کیا گیا۔ جس سے تین عورتیں زخمی ہو گئیں۔

گرفتار شدہ مزدوروں میں سے ۲۸ کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا جن میں یونین کے عہدے دار بھی شامل ہیں۔ اس واقعہ سے اب تک فیکٹری کے گرد پولیس کا گھیرا ہے۔ فیکٹری میں کام ہو رہا ہے۔ اور احاطے میں جماعت اسلامی کے غنڈوں کا راج ہے۔ فیکٹری کی کالونی میں گرفتار اور برطرف کئے جانے والے مزدوروں کے گھروں کی بجلی پانی اور گیس کی سپلائی انتظامیہ نے کاٹ دی ہے اور انہیں کوارٹر خالی کرنے کا نوٹس دے دیا ہے۔ اس پر مزدوروں کے خاندانوں' اُن کے بیوی بچوں پر قیامت گزر رہی ہے۔ وہ نہ صرف روٹی سے محروم کر دیئے گئے بلکہ پانی بھی بند کر دیا گیا اور اب انہیں بے گھر کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔ ظلم کی یہ داستان ابھی ختم نہیں ہوئی جاری ہے دیکھئے اس داستان کا ڈراپ سین کب اور کہاں ہوتا ہے؟

لاڑکانہ کے مزدور

الائیڈ ٹیکسٹائل مل لاڑکانہ کے محنت کشوں پر جو مظالم کئے گئے وہ انسانیت کے چہرے پر بدنما داغ ہیں اس مل

اجرت مانگنے والے "مجرم" قرار پائے تشدد کا نشانہ بنائے گئے

کے مزدوروں کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے اپنے حق کے لئے آواز بلند کی تھی۔ حق مانگا تھا۔ کیونکہ مالکان نے مل کو غیر قانونی طور پر بند کر دیا تھا۔ اور مزدوروں کو چھ ماہ سے زیادہ عرصے کی اجرت بھی نہیں دی تھی۔ مزدوروں کا مطالبہ تھا۔ کہ انہیں اس مدت کی اجرت دلائی جائے۔ جتنی مدت انہوں نے مل میں کام لیا تھا۔ اور مل کو دوبارہ چالو کیا جائے۔ مل مالک پرویز لاری کے خلاف وارنٹ گرفتاری بھی جاری کئے گئے مگر "اسلامی مارشل لا" کے اس دور میں اُسے گرفتار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ سرمایہ دار ہے اور اس کی جیب بھاری ہے۔ البتہ اپنی اجرت مانگنے والے مزدوروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اجرت مانگنے کے "جرم" میں انہیں ایسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا جس سے انسانیت سرنگوں ہو جاتی ہے۔

مل مالک نے مزدوروں کو جو اجرت ادا کرنی تھی وہ تقریباً چالیس لاکھ روپے بنتی تھی۔ مالک نے ادائیگی سے انکار کر دیا حکومت کی طرف سے بھی متعدد بار وعدے کئے گئے کہ اجرت کی ادائیگی کر دی جائے گی لیکن یہ وعدے ایک سراب ثابت ہوئے۔ غریب مزدور اور اُن کے اہل خانہ فاقہ کشی سے تنگ آگئے۔ آخر صبر کی بھی حد ہوتی ہے۔ آخر کار انہوں نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے پُرامن طور پر بھوک ہڑتال شروع کر دی جس پر انتظامیہ فوراً حرکت میں آگئی۔ کیونکہ بھوک ہڑتال سے الائیڈ مل کے سرمایہ دار مالک کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی اور سرمایہ دار کا تحفظ کرنا انتظامیہ کا فرض اولین بنتا ہے چنانچہ نہ صرف بھوک ہڑتالیوں کو گرفتار کیا گیا بلکہ ہر اس شخص کو پکڑ لیا گیا جس پر مزدوروں سے کوئی تعلق یا ہمدردی رکھنے کا شبہ ہوتا تھا۔ اس پر محنت کشوں پر تشدد اور بربریت کی انتہا کر دی گئی۔ جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہم چند مزدوروں کی داستان پیش کر رہے ہیں۔

اسیر مزدوروں کے ایک دستے کو جس میں یونین کے صدر حاکم علی اور تین دیگر کارکن شامل تھے۔ لاڑکانہ تعلقہ کے تھانے میں لایا گیا تھانے میں پہلے انہیں لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مارا گیا اور اُن سے کہا گیا کہ وہ بتائیں کہ "تمہیں کون بھوک ہڑتال پر بھیج رہا ہے بیان دو کہ تم یہ سب کچھ بھٹو کے لئے کر رہے ہو پیپلز پارٹی یہ تحریک چلا رہی ہے" وغیرہ مزدوروں نے جواب دیا کہ ہمیں مل کی انتظامیہ نے ۹ ماہ سے تنخواہ ادا نہیں کی ہے۔ ہم کب تک فاقہ کشی کرتے صبر کی حد ہوتی ہے ہمارے مسائل سے آپ بھی واقف ہیں مگر ان کی ایک نہ سنی گئی تشدد جاری رکھا گیا جس کی نگرانی ڈی ایس پی کے انصاری کر رہا تھا۔ پھر اسلامی نظام رائج کرنے کا دعویٰ کرنے والوں کے دور اقتدار میں یہ ہوا کہ حاکم علی اور اس کے ساتھیوں کو برہنہ کر دیا گیا اور دھمکی دی گئی کہ یقین دلاؤ کہ آئندہ تنخواہ کا مطالبہ نہیں کرو گے ورنہ آپ کی "بدفعلی" کرائی جائے گی۔ مزدوروں نے انکار

کیا تو انہیں چمڑے کے ایک ٹکڑے سے جس پر کیل لگے ہوئے تھے، مارا گیا جس سے اُن کی پیٹھ لہولہان ہو گئی۔ پھر ڈی ایس پی نے حکم دیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بدفعلی کرو یہ حکم نہیں مانا گیا۔ تو پھر بے رحمانہ تشدد کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

مزدوروں کے دوسرے جتھے پر بھی اس طرح کا تشدد کیا گیا۔ اس جتھے میں محمد رمضان مغل نامی ایک ڈرائیور بھی شامل تھا۔ اُسے خصوصی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ کیونکہ بقول پولیس وہ مہاجر ہونے کے باوجود سندھی مزدوروں کا ساتھ دے رہا تھا۔ پولیس والوں نے اُس سے کہا "تم مہاجر ہو کر سندھیوں کا ساتھ کیوں دے رہے ہو" اُس نے جواب دیا کہ "جس طرح سندھی مزدوروں کے حقوق سلب کئے گئے ہیں۔ اس طرح میرے بھی حقوق مارے گئے ہیں۔ میں اپنے حق کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں" یہ جواب سنتے ہی پولیس والے اس پر ٹوٹ پڑے، اتنا تشدد کیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اُس کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ جب پولیس والے باہر ڈال کر فرار ہو گئے۔ رمضان مغل ۱۴ دن تک نیم بے ہوشی کی حالت میں رہا۔ اور پھر مکمل بے ہوش ہو گیا۔ جس پر مزدوروں میں اضطراب پھیل گیا۔ وہ اُسے اٹھا کر ایک جلوس کی صورت میں ڈپٹی کمشنر کے پاس لے گئے جنہوں نے مجبور ہو کر اُسے ہسپتال میں داخل کروایا۔

رمضان مغل اور سولہ دیگر مزدوروں کو جب شدید زخمی حالت میں ہسپتال میں لایا گیا۔ تو بہت شور مچا اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں۔ چنانچہ سکھر سے میجر فیض جیلانی کو تحقیقات کے لئے لاڑکانہ بھیجا گیا۔ انہوں نے یہ سب واقعات خود دیکھے اور رپورٹ دی۔ لیکن آج تک اُس پر کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ کیونکہ مل مالک اور بدعنوان پولیس حکام کو تحفظ دینا مقصود ہے۔

جب تک عوام دوست اخبارات اور جرائد پر سنسر نہیں لگایا گیا تھا۔ اُس وقت تک ان مظالم کی خبریں اخبارات میں شائع ہو جاتی تھیں۔ اس لئے تشدد کرنے والے کچھ سوچتے اور سمجھتے تھے۔ لیکن سنسر کے نفاذ کے بعد تو لاڑکانہ کے مزدوروں اور اُن کے عزیزوں پر قیامت ٹوٹ گئی۔ گرفتار کئے جانے والے مزدوروں کو تھانے لے جانے کی بجائے نامعلوم مقامات پر لے جایا جاتا۔ جہاں قانون پر عمل درآمد کرانے والے ایک ادارے کے حکام بذات خود مزدوروں پر تشدد کرتے اسکے بعد میں لاڑکانہ نیو سنٹرل جیل میں ایک ٹارچر کیمپ قائم کر دیا گیا جہاں یہ حکام تشدد کرتے تھے۔ اس ٹارچر کیمپ میں مزدوروں کو دو، دو سو گھنٹے مسلسل کھڑا رکھا جاتا۔ اسی حالت میں انہیں زدوکوب کیا جاتا۔ بے رحمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا اور کھانے کو نہ روٹی دی جاتی اور نہ پینے کو پانی دیا جاتا۔

ایک اور اس پر مزدور محمد الیاس آرائیں کو جب ٹارچر کیمپ لے جایا گیا تو اس نے دیکھا کہ کئی مزدور زخمی حالت میں اوندھے منہ پڑے ہوئے مسلسل کھڑے ہونے کی وجہ سے اُن کے پاؤں اتنے سوج گئے تھے کہ وہ کھڑے تو کیا سیدھے بھی نہیں لیٹ سکتے تھے۔ اکثر مزدور سخت بخار میں مبتلا تھے۔ الیاس آرائیں کو ان زخمی مزدوروں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اور اُس سے کہا گیا کہ "بتاؤ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ کس نے پیسے دیئے ہیں۔ لکھ کر دو کہ مجھے بھٹو کی پارٹی کی طرف سے بھیجا گیا ہے معافی نامہ بھی لکھ کر دو۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حشر کیا جائے گا جو تم ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو" الیاس آرائیں نے جواب دیا کہ جناب ہم اپنے مطالبات کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ہمارا پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کسی نے ہمیں پیسے دیئے ہیں" ابھی الیاس کا بیان جاری ہی تھا کہ اسے چھ سات اہلکاروں نے پکڑ لیا اور زبردستی برہنہ کر کے مارنا شروع کر دیا۔ الیاس ارائیں کے دونوں ہاتھ ہتھکڑی میں جکڑ کر چھت سے لٹکی ہوئی زنجیر سے باندھ دیئے گئے۔ اسی حالت میں اُس کو سخت زدوکوب کیا گیا گھنٹے گزر گئے الیاس اسی حالت میں رہا اُسے نہ روٹی دی گئی اور نہ پانی سخت پیاس لگی تو اُس نے پانی مانگا ایک باوردی افسر پانی کا گلاس اُس کے منہ کے قریب لایا۔ جب الیاس نے پینے کی کوشش کی۔ تو اُس افسر نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اور پانی زمین پر گرا دیا۔ چار دن تک اُس پر تشدد کا ہر طریقہ استعمال کیا گیا۔ آخر کار ایک دن اور حربہ آزمایا گیا ایک افسر نے آکر الیاس آرائیں سے اظہار ہمدردی کیا اور کہا "تم تو پنجابی ہو۔ پنجاب سے آکر یہاں سندھیوں کے ساتھ کیوں مل گئے ہو۔ ہمارا ساتھ دو تاکہ ہم ان تخریب کاروں سے نمٹ سکیں" الیاس تو اس وقت بڑی پیاس لگی ہوئی تھی اُس نے کہا "جب میں پنجاب کا رہنے والا ہوں تو کم از کم اتنا تو رحم کرو کہ ایک گلاس پانی پلا دو" جواب ملا کہ اگر وہ سرکار کا ساتھ دے تو نہ صرف پانی ملے گا۔ بلکہ اُسے رہا بھی کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ مزید فوائد بھی دیئے جائیں گے "تم عیش کرو گے۔ تم خود ہی سوچو کہ آخر تمہارا سندھیوں سے کیا تعلق ہے۔ ان سے نہ رشتے داری ہے اور نہ کوئی واسطہ" الیاس نے کہا "اگر میرا سندھیوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے تو آپ کا سندھیوں سے کیا تعلق ہے۔ اور آپ یہاں کیوں آئے ہیں" اس جواب نے اُس افسر کو مشتعل کر دیا۔ اور اس نے الیاس آرائیں پر سخت تشدد کیا۔ پھر رفیق بھٹی نامی ایک گیارہ سالہ بچے کو گرفتار کر کے ٹارچر کیمپ میں لایا گیا۔ اور الیاس کی طرف اشارہ کر کے اُس بچے سے کہا گیا کہ "اس شخص کو اچھی طرح دیکھ لو۔ تم بیان دو گے کہ یہ شخص تمہیں اغوا کر کے لے جا رہا تھا کہ تم نے پولیس کے ایک سپاہی کو دیکھ کر شور مچا دیا اور اُس نے اسے پکڑ لیا۔" اُس بچے نے نہایت دلیری کا مظاہرہ کیا کیونکہ اُس کا تعلق بھی استحصال زدہ طبقے سے تھا۔ اُس نے کہا "بے شک جان سے مار ڈالو میں جھوٹا بیان نہیں دوں گا" جس پر اُسے بھی برہنہ کر دیا گیا۔ اور اُس پر تشدد کیا گیا۔

الیاس آرائیں پر ٹارچر کیمپ میں مسلسل ۱۲ دن تک تشدد کیا گیا۔ اسی اثناء میں پنجاب کی بعض مزدور تنظیموں کو اس واقعے کی اطلاع ملی اور انہوں نے حکام بالا کو ٹیلی گرام دیئے جس کے نتیجے میں الیاس آرائیں کو رہا کر دیا الیاس آرائیں نے ٹارچر کیمپ میں جو کچھ دیکھا اُس سے وہ اتنا دکھی تھا کہ اُس نے پنجاب جاتے وقت اپنے ساتھیوں سے کہا "یہاں تو زبردستی بنگلہ دیش بنایا جا رہا ہے"۔

ٹیکسٹائل کارپوریشن کی مزدور دشمنی

پاکستان ٹیکسٹائل ورکرز یونین کے جنرل سیکریٹری محمد بخش خزانچی محمد زمان آفس سیکریٹری محمد خلیل نے ایک مشترکہ بیان کے ذریعہ ٹیکسٹائل کارپوریشن آف پاکستان لمیٹڈ حیدرآباد کی انتظامیہ کی مزدور دشمن پالیسی کی سخت مذمت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انتظامیہ کے افسران مزدوروں کو طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ مل میں غنڈہ قسم کے لوگوں کو باہر سے لاکر گھمایا پھرایا جا رہا ہے، اس طرح مزدوروں میں خوف وہراس پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے مزدوروں میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ مل انتظامیہ یہ سب کچھ مزدوروں کے بونس کے مطالبے کو سبوتاژ کرنے کے لئے کر رہی ہے۔ بیان میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ مل انتظامیہ کی اس مزدور دشمن پالیسی کا نوٹس لیا جائے تاکہ صنعتی امن برقرار رہے۔

نثار بالاری

عبدالسلام تحقیم سیم زدہ علاقے میں

شہر کو کھنڈرات میں بدلنے کے لئے لاکھوں روپے کا بجٹ

سیمنٹ کی ایک بوری کے حصول میں پورا دن ضائع ہوتا ہے

وادیٔ مہران کے خوبصورت اور بڑے شہروں میں شہداد پور بھی اپنی قدیم تاریخی پس منظر، روایات اور خوبیوں کی وجہ سے اپنا ایک الگ مقام رکھتا ہے۔ پچاس ہزار افراد پر مشتمل یہاں کی آبادی اپنے پیٹ اور مستقبل کے لئے مختلف پیشوں سے منسلک ہے۔ زیادہ تر لوگ زراعت اور محنت مزدوری سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ ابھی تک یہ علاقہ پسماندگی میں گھرا ہوا ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق کہا جاتا ہے کہ کئی سال پہلے یہاں سے دریائے سندھ اپنی پوری روانی اور گھن گرج کے ساتھ گزرتا تھا۔ پھر قدرتی و زمینی اثرات کی وجہ سے دریائے سندھ نے اپنا رُخ موڑ کر ہالا کی طرف کر لیا۔ یہ علاقہ اس وقت ہندوؤں اور غیر مسلم لوگوں کی دلچسپی کا مرکز بھی تھا۔ بڑے بڑے مندر اور عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں جہاں پر پنڈت اور پجاری آگ جلاتے ہر وقت مصروفِ عمل رہتے تھے۔ دور دراز سے لوگ یہاں آکر مذہبی رسومات ادا کرتے تھے۔ جب اسلام کا بول بالا ہوا تو اُچ شریف سے کئی بزرگانِ دین نے یہاں اپنا ڈیرہ جمایا جن کے مزارات آج بھی موجود ہیں۔ اس شہر کی باقاعدہ تعمیر میر شہداد خان ٹالپر نے خود کرائی تھی اور ان کے نام کی مناسبت سے یہ آبادی شہداد پور کے نام سے مشہور ہوئی۔ دریائے سندھ نے جہاں اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں وہاں اس شہر کو دو پیار کرنے والے عظیم کردار "سوہنی اور مہینوال" بھی دیئے۔ یہ پیار اور محبت کے لازوال پھول آج بھی مہک رہے ہیں اور اور ملک بھر سے لوگ ان کے مزاروں پر آکر پیار اور محبت کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ان کے مزار کھنڈرات میں تبدیل ہو رہے ہیں اور رات کو کوئی نہیں ہوتا جو ان کے مزاروں پر چراغ جلائے۔

یوں تو یہ شہر ضلع کا ہیڈکوارٹر ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا پولیس ٹریننگ اسکول (جواب کالج بن گیا ہے) یہاں پر ہے ڈگری کالج کے بعد اس سال سائنس کالج کی عمارت بھی بن گئی ہے لیکن کئی سالوں سے جو مسائل اور تکلیفیں عوام کو

یہ شہداد پور۔ ٹنڈو آدم روڈ ہے

زمیندار غیر قانونی طور پر پانی لیتے ہیں

در پیش تھیں وہ آج بھی جوں کی توں ہیں اور ان میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لاکھوں روپے کے ٹیکس شہریوں سے وصول کرنے کے بعد بھی یہاں کے لوگوں کے لئے سہولتیں مہیا نہیں کی جاتیں۔ شہر کی سڑکیں گڑھوں میں تبدیل ہو رہی ہیں گلیوں کی کئی سال سے فرش بندی نہ ہونے کی وجہ سے نالیوں کا گندہ پانی تالاب بنا کھڑا ہے۔ جس سے آمد و رفت بھی کئی جگہوں سے اکثر بند ہو جاتی ہے۔ شہر کے بڑے علاقے راوائی روڈ، مہاجر کالونی، مہر داؤ پورہ، آلوئی پاڑا اور کئی دوسرے محلوں میں لوگ رات کو گھروں سے باہر نکلتے ہیں تو لالٹین یا ٹارچ ساتھ لیتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو اسٹریٹ کی بتیاں بند ہوں۔ دوسری جانب بڑے بڑے گڑھے۔ اگر آدمی سنبھل کے نہ چلے تو ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہی ہے! یہاں کے شہری حیران اور پریشان ہیں کہ ہر سال لاکھوں روپے کا بجٹ بنتا ہے اور پورا شہر کھنڈرات میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ شہر میں صنعت نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ پانچ چھ سینٹرل کاٹن فیکٹریاں ہیں جو سال میں دو تین مہینے بھی نہیں چلتیں۔ لوگوں میں بے روزگاری اور مفلسی بڑھتی جا رہی ہے۔ سابقہ حکومت نے یہاں کے عوام کی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے بڑی کاوشوں کے بعد اپنے پڑوسی اور دوست ملک کو ایک شوگر مل قائم کرنے پر رضامند کر لیا تھا۔ ابتدائی طور پر زمین بھی منتخب کر لی گئی تھی اور کام شروع ہونے ہی والا تھا کہ حکومت تبدیل ہو گئی، حکومت کیا تبدیل ہوئی کہ مصیبت کے مارے فاقہ مستوں کی جاگنے والی قسمت ہی سو گئی۔

یہاں کے بڑے زمیندار اور ان کے آقا نہیں چاہتے کہ یہاں پر خوشحالی ہو اور عوام اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوں۔ دوسری جانب سب سے بڑا دردِ سر یہ ہے کہ اس علاقہ میں سیم اور تھور کی وجہ سے ہزاروں ایکڑ اراضی بنجر بن گئی ہے۔ حکومت کی طرف سے بارہا یہ اعلان ہوا کہ اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے جلد ایک اسکیم پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ لیکن آج تک یہ وعدہ وفا نہیں ہوا اور حالت یہ ہے کہ کئی گاؤں اجڑ گئے ہیں۔ ٹنڈو آدم۔ شہداد پور روڈ سیم کی وجہ سے بند ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں کی آبادی کا ایک بہت بڑا طبقہ زراعت اور کھیتی باڑی سے وابستہ ہے اب حالت یہ ہے کہ کوئی بھی فصل کامیاب نہیں ہو پاتی۔ محکمہ آبپاشی کی دھاندلیاں عروج پر ہیں۔ بڑے زمیندار واٹر کورسوں کو توڑ کر پورا پانی ہضم کر جاتے ہیں اور پچھڑی کے چھوٹے کاشتکار فاقہ کشی کرنے پر مجبور ہیں یہ شکایتیں بھی اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہیں کہ زرعی قرضہ جات بڑے بڑے زمیندار خود عیش کرنے کے لئے ہضم کر رہے ہیں۔ جب کہ یہ قرضے صرف کھاد، بیج اور ہاریوں کے لئے ہیں

شہریوں کی حالت یہ ہے کہ کبھی اپنے جائز کاموں کے لئے کسی رئیس کی اوطاق کا در چومتے ہیں تو کبھی کسی خلیفے کو "مٹھائی" (نقد رقم) دے کر مختیارکاروں، تھانوں اور محکمہ آبپاشی کے عملہ سے اپنا کام کرواتے ہیں۔ چوریاں اور منشیات کے اڈے اپنے عروج پر ہیں۔ شہر کے سوا آس پاس کے چھوٹے بڑے دیہات میں منشیات کے اڈے چل رہے ہیں جب کہ ہالا کی جانب سے آنے والی شراب بھی فروخت ہوتی ہے۔ یہاں تک ہندوستانی شراب کی بوتلیں بھی چل رہی ہیں، یہ بات دوسری ہے کہ قابلِ اعتماد لوگوں کو ملتی ہے۔ رہا سوال چوریوں کا تو فریادی بجائے تھانے جانے کے ان اوطاقوں پر چلے جاتے ہیں۔ جہاں پر آدھی رقم (بھنگ) دینے کے بعد اپنا مال منت سماجت کے بعد لے آتے ہیں۔ اس طرح ہاریوں کی بیدخلیاں اور دوسری بیماریاں یہاں پر زوروں پر ہیں یہ کاروبار "نوٹ" کے بل بوتے پر جاری ہے۔ ہمارے یہاں مثل مشہور ہے کہ "سیمنٹ" کی ایک بوری کا پرمٹ کسی قیمتی کار کے پرمٹ سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ عام آدمی کو ایک بوری ملنا بھی مشکل ہے۔ صاحبِ اقتدار لوگ اپنے آدمیوں کے ناموں پر پرمٹ جاری کروا کر ساری بوریاں بلیک کر دیتے ہیں جب کہ عام آدمی سارا دن مختیارکار اور اسسٹنٹ کمشنر صاحبان کے آفس کے سامنے کھڑے صدائیں لگاتے ہیں پھر بھی سیمنٹ نہیں ملتا۔ ہاں مخصوص فون نمبروں سے جاری ہونے والے احکامات پر فوری سیمنٹ مل جاتا ہے اب یہ ضرورت مندوں کا کام ہے کہ ایسے فون نمبر تلاش کریں یا پھر بلیک پر سیمنٹ حاصل کریں۔

سانگھڑ

زبان خاموش ھے .... چہرے بولے رھے ھیں

ایاز سندھی

سپریم کورٹ نے ابھی ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق بھی نہیں کی تھی کہ ہمارے حکمرانوں کو عوام کے مقبول رہنما دن سے خطرہ لاحق ہو گیا اور انہوں نے پورے ملک میں گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کی تکمیل کے لئے بھلا سانگھڑ ضلع سے گرفتاریاں کیوں نہ کی جاتیں۔ سو یہاں سے عبدالسلام تھہیم، ڈاکٹر حاجی خان تالپور، عبدالواحد بروہی، مجاہد غلام رسول، عبدالرزاق سومرو، عبداللہ وریا، عبدالستار تھہیم، سید علی ڈنو شاہ اور یار سومرو کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتاریوں سے پورے ضلع میں پی پی پی کے عام کارکنوں، ہاریوں اور عوام میں خاصہ خوف و ہراس پھیل گیا تھا اور لوگ تیز آواز میں گفتگو کرتے ہوئے بھی ڈرنے لگے کہ کہیں انہیں بھی حوالات میں بند نہ کر دیا جائے۔ ان گرفتاریوں کے بعد یہاں لوگوں میں یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ بھٹو صاحب کو پھانسی پر چڑھانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ سپریم کورٹ، ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دے گا۔ حالات بہت خراب ہونے والے ہیں۔

اس خوف و ہراس کی فضا میں سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا اور لوگوں کو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔ کسی کے منہ سے تو کوئی آواز نہیں نکلتی تھی لیکن ان کے چہرے بول رہے تھے۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیسے ہو گیا؟ اب کیا ہو گا؟ خدا پاکستان پر رحم کرے! پھانسی دے دی جائے گی؟

اس کے برعکس نام نہاد حزبِ اختلاف کے رہنماؤں کے چہروں پر اطمینانِ قلب کی لکیریں نظر آنے لگیں۔ وہ مسکرا مسکرا کر اپنے دل کے چور کا احوال بیان کرنے لگے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پی پی پی کے رہنماؤں کی گرفتاریوں کو غیر ضروری اقدام کہتے ہوئے اس پر افسوس کا اظہار کر رہے تھے! افسوس کرنے والے "رہنماؤں" میں مسٹر انور محمود نظامانی بیچارے پیش پیش تھے۔ لیکن وہ کچھ اپنی عمر یعنی جوانی کی وجہ سے بزرگ رہنماؤں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے، اس لئے ان کا افسوس کرنا یا نہ کرنا ایک جیسا ہی نظر آتا ہے۔

تادمِ تحریر حالات جوں کے توں ہیں، سانگھڑ پر خوف و ہراس اور خاموشی کے بادل چھائے ہوئے ہیں ہر شخص اپنے طور پر کچھ سوچ ضرور رہا ہے۔ کیا سوچ رہا ہے۔ اس سلسلے میں یا تو وہ جانتا ہے یا اس کا خدا۔ "دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک"

ہر صحنِ چمن تہران کرو

جوہر میر

اس عہد کا رزق بھی آنسو ہیں اس عہد پہ بھی احسان کرو
زخموں کے عزا خانے کھولو رونے کا کوئی سامان کرو

کب کوئی سوالی خالی گیا، یہ اپنی روایت ہی کب تھی
دروازے پہ قاصدِ زنداں ہو یا قاصدِ جاں، مہمان کرو

باہر کے حبس کی بات نہیں، اندر کی گھٹن جاں لیوا ہے
لفظوں کا جہنم سرد سہی، سانسوں سے بپا طوفان کرو

زندوں کی طرح مرجانے کی امید بچا بھی لیتی ہے
مرنے کیلئے تیار رہو جینے کا مگر ارمان کرو

مقتولِ وفا پر تہمت ہے کیوں اس نے جفا کا عُذر کیا
قاتل کے لئے ارشاد ہوا سب دیدہ و دِل دربان کرو

مرنے کے لئے سب زندہ ہیں، جینے کیلئے کم مرتے ہیں
جو قرض سمجھ کے چُکانا ہے قاتل پہ اسے احسان کرو

تنہا نہ چلو، تنہا نہ رہو، تنہا نہ مرو، تنہا نہ جیو
دو چار نہیں سو دشمن ہیں اے جانِ تمنا دھیان کرو

ہاں زہر سہی یہ وقت مگر تریاق کہاں سے لاؤ گے
جس درد کو درد سمجھتے ہو اس درد کو اب درمان کرو

تذلیل ہوئی اتنی اب کے دیوانِ ملامت چھپنے لگے
اس جشن کے بعد کی مشکل کو اے عقدہ کشا آسان کرو

لفظوں کے ترنم میں اکثر محسوس نہیں ہوتی تلخی
تلخی کی تو کوئی بات نہیں لہجے پہ ذرا کچھ دھیان کرو

اپنے ہی تن کی صلیبوں پر اے لوگو کب تک لٹکو گے
کس قصد کا قُفل ہے ہونٹوں پر کیا عزم ہے اب اعلان کرو

شاخوں پہ شگوفے لگنے لگے موسم کا تقاضا ہے جوہر
ہر کوچۂ جاں تبریز کرو ہر صحنِ چمن تہران کرو

کاؤنٹی میں مقامی

اوسط اور چھوٹے پیمانے کی مقامی صنعت کو فروغ دینے کے بارے میں پارٹی کی پالیسی پر کامیاب عملدرآمد کے نتیجے میں اور اسکے ساتھ مرکزی اتھارٹی کے ماتحت عوام کے لئے اشیائے صرف پیدا کرنے والی بڑے پیمانے کی صنعت سے، ہمارے ملک میں صنعت نے تیزی سے ترقی کی ہے۔ ٹیکسٹائل، بنی ہوئی اشیاء، بین پیسٹ، سوئے سوس اور فرنیچر جیسی اشیاء تیار کرنے والے مقامی صنعتی کارخانے ہر شہر اور کاؤنٹی میں اوسطاً۔ اسے زیادہ تعمیر کئے گئے ہیں اور وہ روزمرہ کی ضرورت کی مختلف اشیاء تیار کر رہے ہیں۔

مقامی علاقوں میں کئی کارخانے تعمیر کرنے کا مطلب صنعت کو زراعت سے قریب لانا ہے، یہ زراعت اور صنعت کے درمیان تعلق کو مضبوط بنانے، دیہاتوں میں سوشلسٹ تعمیر کو تیز کرنے اور شہر اور دیہات میں فرق کو ختم کرنے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ہماری کاؤنٹیوں میں مقامی صنعتی کارخانوں کا بنیادی مقصد مقامی خام مال کو بنیادی طور پر استعمال کر کے اشیائے صرف تیار کرنا ہے۔ مقامی صنعتی کارخانے اپنی کاؤنٹیوں میں فارم والے دیہاتوں اور شہروں کے لئے بھی مختلف قسم کی اشیائے صرف تیار کرتے ہیں اور اس طرح محنت کش لوگوں کی طلب کی تکمیل میں اہم حصہ لیتے ہیں۔ مقامی صنعتی کارخانے فصل کے وقت مختلف زرعی پیداوار اور کسانوں کی پیدا کردہ ضمنی پیداوار خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی آمدنیوں کو بڑھاتے ہیں اور دیہاتوں میں زراعت اور ضمنی پیداوار کی ترقی کے لئے محرک بنتے ہیں۔ مقامی صنعتی کارخانے دیہی صنعت کے کاروباری اور انتظامی طریقوں کی ترقی، اس کے پیداواری کلچر اور تکنیک اور مزدوروں کے سیاسی اور نظریاتی اثر کو کسانوں تک لانے میں بھی بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔

تمام کاؤنٹیوں کا فرض ہے کہ پہلے سے ڈالی ہوئی بنیادوں پر انحصار کرتے ہوئے

کامریڈ

کم ال سنگ

صدر عوامی جمہوریہ کوریا

صنعت کا کردار

مقامی صنعت کو ایک اور اونچے مرحلہ پر ترقی دیں۔

مقامی صنعتی کارخانوں کا فرض ہے کہ مقامی خام مال کے وسائل کو استعمال کریں اور ان سے اشیاء تیار کریں۔ خاص طور پر کسانوں کی پیدا کردہ زرعی اور ضمنی پیداوار سے اشیاء تیار کرنے کے لئے زبردست کوشش کریں۔ تمام مقامی صنعتی کارخانوں کا فرض ہے کہ اپنی کاؤنٹیوں میں زراعت اور معیشت کے دوسرے شعبوں میں نئی تکنیک کو پھیلانے کے لئے بنیاد کا کام دیں اور اعلیٰ پیداواری کلچر اور ترقی یافتہ کاروباری انتظام کے نمونے بن جائیں۔ مقامی صنعتی کارخانوں کا فرض ہے کہ اعلیٰ معیار اور بڑی مقدار میں وسیع اقسام کی اشیاء تیار کریں اور فارم والے دیہاتوں اور دوسرے مقامات کو فراہم کریں۔

اس طرح مقامی صنعت کا کردار کسانوں کی زندگی کو بہتر بنانے میں، دیہاتوں میں زرعی اور ضمنی پیداوار میں اضافے کو تیز کرنے اور صنعت اور زراعت میں رشتوں کو مستحکم کرنے میں مزید بڑھنا چاہیئے۔

ہمارے ملک میں مرکزی اتھارٹی کے تحت بڑے پیمانے کے صنعتی ادارے وسیع پیمانے پر مقامی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان میں ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ ہر کاؤنٹی میں موجود ہیں۔ یہ صرف دیہاتوں کی ترقی کا ہی بڑا وسیلہ نہیں ہیں بلکہ کئی اعتبار سے خود صنعتی ترقی میں معاون ہیں۔

مرکزی اتھارٹی کے تحت صنعتی ادارے جو مقامی علاقوں میں واقع ہیں، ان کا فرض ہے کہ ان کے اطراف واقع امدادِ باہمی کے فارموں کو مادی اور تکنیکی، سیاسی اور نظریاتی عملی اعانت فراہم کریں۔ امداد باہمی کے فارموں کا فرض ہے کہ وہ ان اداروں کے ٹکنیشنوں اور مزدوروں کو سبزی، مویشیوں سے حاصل ہونے والی پیداوار اور غذائی اجناس کی اطمینان بخش فراہمی کو یقینی بنائیں۔ کاؤنٹی کا فرض ہے کہ کاؤنٹی میں واقع مرکزی اتھارٹی کے تحت صنعتی اداروں اور امداد باہمی کے فارموں کے درمیان قریبی رشتوں کے قیام میں تعاون کرے اور باہمی تعاون کو مستحکم بنانے میں ان کی رہنمائی کرے۔

بقیہ : پرانی سیاست گری

اور انسانی حقوق بحال کیے گئے وہاں اسلامی نظام کو نافذ کرنے کا اختیار عوام کو دیا گیا ہے۔ جو انتخابات کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کریں گے اور انہیں اسلامی انقلاب کی تکمیل کا اختیار دیا جائے گا۔ لیکن ہمارے یہاں صورتحال اس کے برعکس ہے محض لمبی چوڑی باتوں سے صورتحال کو بدلا نہیں جا سکتا۔ ہمیں علم نہیں کہ ہمارے حکمرانوں نے ایران کے حالات سے صحیح سبق حاصل کیا ہے یا نہیں یا ان میں اس کی صلاحیت اور توفیق بھی ہے یا نہیں۔

خارجہ امور

خارجہ امور پر گفتگو کرتے ہوئے جناب صدر نے امریکہ کی شکایت کی کہ وہ اپنے دوستوں اور حلیفوں کی آڑے وقت میں مدد نہیں کرتا انہوں نے امریکہ کو مشورہ دیا کہ اسے چاہیئے کہ وہ یہ دیکھے کہ جو ملک اس کے حلیف ہیں وہ اقتصادی اعتبار سے مضبوط ہوں اور ان پر کوئی دوسری بڑی طاقت اثر انداز نہ ہو اور جب نازک وقت آئے تو وہ نہ کچھ کرے جو دوسری بڑی طاقت آج کل کر رہی ہے اس پر مسٹر کولن نے کہا کہ قبلہ امریکہ نے ایران کو اقتصادی طور پر بہت مضبوط کر دیا تھا لیکن پھر بھی حشر آپ کے سامنے ہے مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ غلط گھوڑوں کی حمایت میں مداخلت کرتا ہے جناب صدر نے کولن کی اس بات سے اتفاق تو کیا لیکن ساتھ ہی ہندوستان، افغانستان اور ویت نام کے ساتھ روس کے معاہدوں کا ذکر بھی کر دیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ محض ان معاہدوں کی وجہ سے پاکستان کو ۱۹۷۱ء میں شکست ہوئی افغانستان میں روس نواز حکومت کی پشت پناہی ہوئی اور کمبوڈیا میں ویت نامیوں کو سرخروئی حاصل ہوئی حالانکہ مشرقی پاکستان میں ہماری فوجی شکست کا بنیادی سبب محض یہ نہیں کہ روس نے ہندوستان سے معاہدہ کر لیا تھا۔ پاکستان نے امریکہ سے بہت پہلے یعنی ۱۹۵۴ء میں فوجی معاہدہ کیا تھا۔ لیکن ایسی صورت حال میں جس میں ہم نے مشرقی پاکستان کے عوام کو اپنا مخالف بنا لیا ہو کیونکہ فوجی فتح حاصل کی جا سکتی تھی؟ یہ صحیح ہے کہ امریکہ نے تیسری دنیا کے بعض ممالک سے جن میں پاکستان بھی شامل ہے محض اپنے عالمی سیاسی، اقتصادی اور فوجی مقاصد کے لئے معاہدے کئے تھے۔ جس میں بنیادی نکتہ روس اور چین کے اثر کو پھیلنے سے روکنا تھا، اور صرف اس حد تک فوجی مداخلت کو ضروری سمجھتا تھا۔ یہ کام اس نے ویت نام میں کر کے دیکھ لیا۔ نتائج برعکس برآمد ہوئے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ جہاں کہیں امریکہ کسی ملک کے عوام کی خواہشات کے خلاف اس ملک کے ظالم حکمرانوں کی حمایت کرے گا اسے شکست کا سامنا ہی کرنا پڑے گا۔ مشرقی پاکستان میں یہی ہوا، ویت نام میں یہی ہوا اور ایران کے واقعات تو ابھی بالکل تازہ ہیں۔ غالباً صدر صاحب کو شکایت یہ ہے کہ امریکہ پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کی اقتصادی اور فوجی مدد کیوں نہیں کرتا۔ آخر وہ کیسے کرے۔ جہاں مسلسل کو دیتا ہوتے ہوں وہاں استحکام کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں سیاسی اور اقتصادی عدم استحکام کی وجہ انتخابات نہیں بلکہ انتخابات کو روکنا ہے اور جمہوری عمل میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔ جمہوریت کی خرابیوں اور نقائص کا علاج آمریت نہیں ہے، نہ فوجی حکومت ہے جمہوریت کا علاج مزید جمہوریت ہے۔ یعنی علاج بالضد نہیں بلکہ علاج بالمثل بصورت دیگر پاکستان میں بھی وہی انقلاب رونما ہوگا جو ایران میں برپا ہوا ہے اور جسے شہنشاہ آریہ مہر، اس کی مسلح افواج، اس کی خفیہ پولیس ساواک اور امریکہ جیسی طاقت کی حمایت بھی نہ روک سکے۔

اساتذہ کو
تدریسی الاؤنس ابھی تک نہیں دیا گیا

منڈی بہاؤالدین
میاں شریف زاہد

مزدور اتحاد منڈی بہاؤالدین کا ایک تعزیتی اجلاس ہوا جس کی صدارت اقبال جاڑہ ایڈووکیٹ نے کی ایک قرارداد کے ذریعے برصغیر پاک و ہند کے ممتاز مزدور رہنما جناب فضل الٰہی قمر کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا گیا اور ان کی انقلابی جدوجہد کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

تحریک استقلال ضلع گجرات کے انتخابات عبدالقیوم ایڈووکیٹ ممبر صوبائی الیکشن کمیٹی کی نگرانی میں ہوئے۔ چودھری ممتاز احمد تارڑ ایڈووکیٹ کو تحریک استقلال ضلع گجرات کا چیئرمین منتخب کر لیا گیا۔ دیگر عہدیدار جو منتخب ہوئے یہ ہیں۔ نائب چیئرمین میاں محمد اسلم ایڈووکیٹ راجہ ظفر علی آف ملکوال، جنرل سیکرٹری، مہر بشیر احمد جائنٹ سیکرٹری میاں عبدالوحید ایڈووکیٹ، میاں محمد اسحاق ایڈووکیٹ، سیکرٹری اطلاعات طاہر بابر شاہین، خزانچی منشی محمد اسحاق۔ اس کے علاوہ راجہ ظفر علی آف ملکوال اور چودھری نوازش علی کو صوبائی کونسلر منتخب کیا گیا۔

ٹیچرز ایسوسی ایشن محکمہ جیل پنجاب کے جنرل سیکرٹری محمد انور شاد نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ محکمہ جیل کے اساتذہ کو ابھی تک ٹیچنگ الاؤنس نہیں دیا گیا۔ جبکہ محکمہ تعلیم پنجاب کے اساتذہ کئی ماہ قبل سے یہ الاؤنس لے رہے ہیں۔ حالانکہ ٹیچنگ الاؤنس کے سلسلے میں سیکرٹری آف پنجاب فنانس ڈیپارٹمنٹ نے نوٹیفکیشن بھی جاری کر دیا ہے لیکن ابھی تک اس پر عملدرآمد نہیں ہوا ہے۔ انہوں نے محکمہ تعلیم سے مطالبہ کیا ہے کہ الاؤنس کی ادائیگی فوری طور پر کی جائے۔

بقیہ : سچ نما

حکومت کو مجرمانہ خاموشی کا شکار کرنا اس اخبار ہی کا کارنامہ ہے ظاہر ہے آنے والی نسلیں اسے ایک کارنامے کے طور پر اپنی بہترین روایت بنانے میں پس و پیش نہیں کریں گی۔

صاحبو مذکورہ اخبار کے اداریہ نویس نے ایک کمال اور دکھایا ہے یعنی اس ملک کے سربراہ کو بھیڑیا لکھ دیا جس سے ہمارے ابھی سفارتی تعلقات موجود ہیں۔ نور محمد ترہ کی نے بھٹو صاحب کو رہا کرنے کی اپیل کر دی۔ ظاہر ہے یہ اپیل جماعت کے گرگوں سے کہاں برداشت ہوتی انہوں نے اس اپیل کا حوالہ دیتے ہوئے سفارتی آداب کے جامہ سے باہر ہو کر لکھ مارا "ہم نور محمد ترہ کی کی اپیل کو بھیڑیے کے حق میں بھیڑیے کی رحم طلبی سمجھتے ہیں"۔ یہ بھیڑیوں والا جملہ لکھنے سے قبل اپیلوں کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے تعبیر کرتے ہوئے خاصی جملے بازی کی گئی۔ حالانکہ مودودی صاحب یعنی ان کے پیر و مرشد کے سلسلے میں بھی اسی انداز کی "مداخلت" ہوئی تھی اور اس مداخلت کے بعد ہی وہ اپنے گلے سے پھانسی کا پھندہ اتار پائے تھے لیکن کہتے ہیں جھوٹوں کی یاد داشت بہت کمزور ہوتی ہے۔

محکمہ سیاست کی زد پر فضائے سیاست

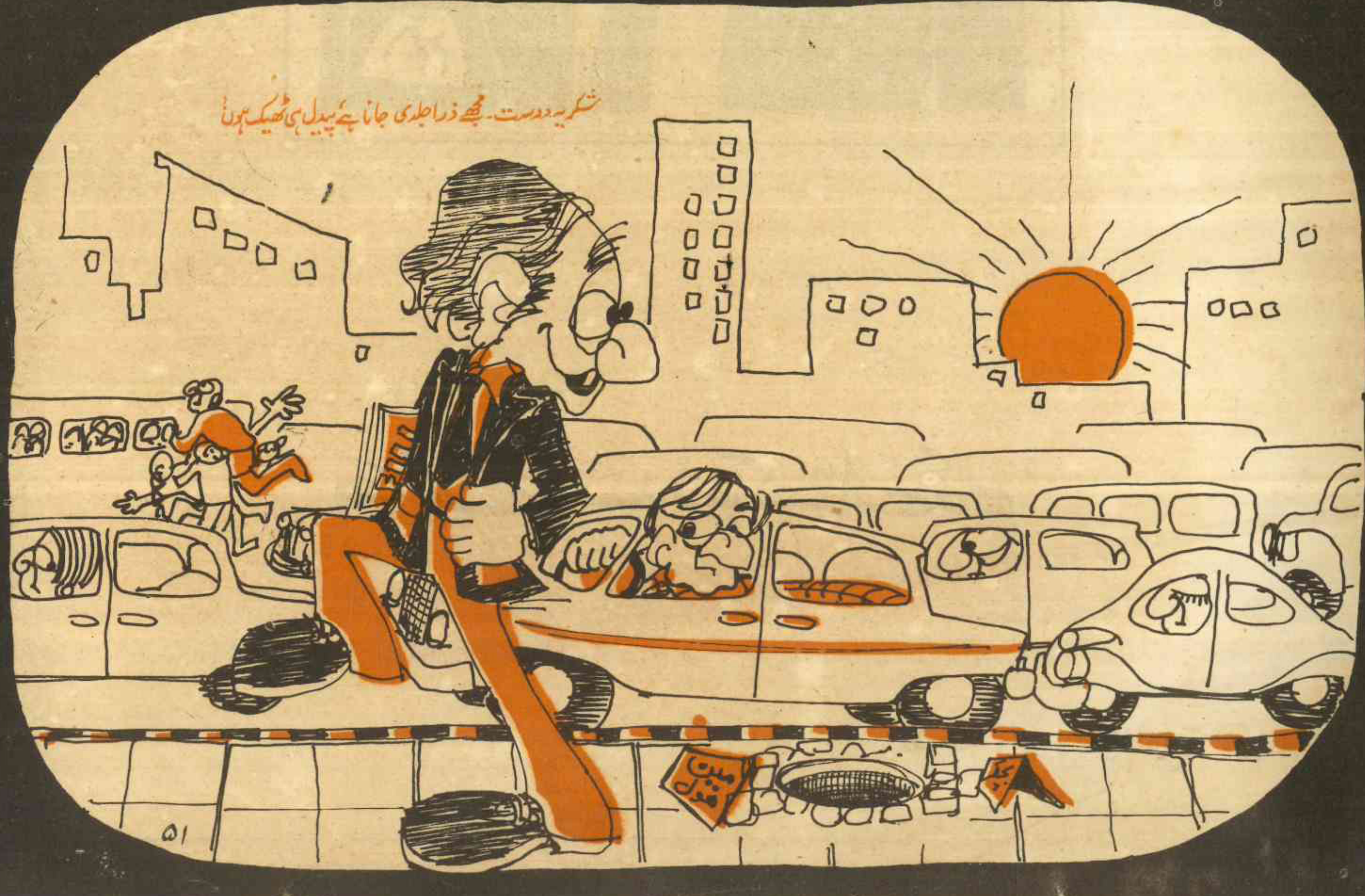

شکریہ دوست۔ مجھے ذرا جلدی جانا ہے پیدل ہی ٹھیک ہوں!

فضل الٰہی چوہدری

سابق صدر پاکستان کی

جنرل ضیا کے نام اپیل کا مکمل متن

صفحہ ۷ پر دیکھیے